

تسکین الفتنه

فی

# صلح الحسن

از  
علامه عدیل اختر طاہ ثراه  
سابق پرنسپل مدرسہ الاعظمیں لکھنؤ



شائع کردہ

تنظيم المکاتب، گولر گنج، لکھنؤ، ایوپی (انڈیا)

فون و فیکس: ۲۱۵۱۱۵

مُجلہ حقوق بحق ناشر محفوظ

صلح الحسن

علام عدیل اختر طاہ ثراہ

جے۔ احمد

نومبر ۱۹۹۳ء

۳۰۰

تنظيم المکاتب، لکھنؤ (انڈیا)

۲۵:۰۰

نام کتاب:

مصنف:

کتابت:

سنت طباعت:

تعداد:

ناشر:

قیمت:

مراکز حصول:

۱۔ دفتر تنظیم المکاتب، گورگن، لکھنؤ (انڈیا)

۲۔ جامعہ افوار العلوم، مرزا غالب روڈ، ال آباد

۳۔ جامعہ جوادیہ، پرہلاد گھاٹ، بنارس

۴۔ مولانا امیں الحسن صاحب قبلہ، A1 نیوشوکت سوسائٹی، ۱۹۔ نوروجی ہل روڈ، دہلی

بمبئی ۹

۵۔ مولانا محمد علی احمد صاحب قبلہ، ناز پور، ڈاک خانہ گواؤں، ضلع مظفر نگر

۶۔ جناب غلام علی گلزار صاحب، رعناداری حسن آباد، سری نگر، کشیر

# صلح کا کوئی مارڈیوں جلال پور (حضرت بار)

## فہرست

- ۱۔ عرض تنظیم
- ۲۔ حالات مصنف
- ۳۔ تصانیف علامہ عدیل اختر
- ۴۔ صلح کے بارے میں غلط فہمی کا بسیب
- ۵۔ کتاب کے بنیادی اجزاء
- ۶۔ صلح شیخوں کے زدیک
- ۷۔ صلح ناقابل اعتراض ہے
- ۸۔ معادیہ نے زہر دیا
- ۹۔ علوم امسّہ
- ۱۰۔ امام کا نظام عمل
- ۱۱۔ حضور و جناب امیر کی عملی تائید صلح
- ۱۲۔ مظلوم مددگر ۔ مگر حضور نے جنگ نہ کی
- ۱۳۔ صلح حدیثیہ
- ۱۴۔ فوائد صلح

- ۱۵۔ امیر المؤمنین کی صلح  
۱۶۔ اضافت کی غلطی، عقیدہ کی صورت  
۱۷۔ علیؑ راہ حق پر  
۱۸۔ علیؑ کی فوج کا حال  
۱۹۔ حالات کا فرق  
۲۰۔ حضرت علیؑ کی مجبوری  
۲۱۔ صفین کے متعلق عیا سمی کی رائے  
۲۲۔ صلح کے بارے میں صاحب نصائح کافیہ کی رائے  
۲۳۔ جہاد و صلح کی مذہب کی نظر میں

باصہ بجانہ

## عرض تنظیم

صلح حسن علامہ عدیل اختر اعلیٰ اس شرمنقامہ کی معمرکہ الگا راتصنیف ہے اور اس وقت منظر عام پر آئی تھی جب اردو کا دامن اس طرح کی علمی تصانیف سے خالی تھا۔

یوں بھی اردو میں اس موضوع پر بہت کم لکھا گیا ہے اور جس طرح علامہ مرحوم نے بہ طبقہ امام حسن علیہ اattsalam کی صلح کے واقعہ کو اس وقت کے سیاسی، دینی اور تاریخی پس منظر میں سمجھنا اور سمجھانے کی کوشش کی ہے وہ ارباب فکر و دانش کے لئے ان کا ایک علمی عطیہ ہے۔

اس کتاب کی پہلی اشاعت ادارہ تنظیم کے قیام سے صرف ایک دن پہلے باقی تنظیم طاب ثراہ نے اپنے ہی قائم کردہ ادارہ مکتبۃ افادات عدیل اختر کی طرف سے کی تھی۔ اہر پہت دنوں سے یہ کتاب کیا ب بلکہ نایاب ہو چکی تھی۔ کتاب کی افادیت اور علمی و تحقیقی حیثیت کے بیش نظر باقی تنظیم طاب ثراہ نے اس کی دوبارہ اشاعت کا پروگرام بنایا تھا، ساتھ ہی ساتھ کتاب کے عربی متن کی کچھ عبارتیں حذف کر دی تھیں کہ ان کا ترجمہ

کافی ہے۔ بعض جگہ کتاب کی عبارتوں پر نشانات لگائے تھے اندازہ ہے کہ حاشیہ پر تحریکی نوٹ لگانا پاچاہتے تھے۔ ملکان کی اچانک رحلت نے اس کام کو التواء میں ڈال دیا تھا۔

اب ہم بانی تنظیم کی خواہش کے مطابق کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں چونکہ ہمیں ہمیں معلوم کرنا بانی تنظیم کیا تمیم کرنا چاہتے تھے اس لئے ہم اصل کتاب شائع کر رہے ہیں۔ ایدھے کہ صاحبان علم و ارباب نظر اس سے خاطر خواہ استفادہ فرمائیں گے اور اسلامی تاریخ کے اس غظیم واقعہ کو اس کے صحیح مفہوم میں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

اس خدمت پر ہم بارگاہ الہی میں نذرانہ تشکر پیش کرتے ہوئے ہر زیدۃ فیقات کے ملحتی ہیں۔

والسلام  
صفیٰ حیدر  
مسکیرمی تنظیم المکاتب  
۲۰ اکتوبر ۱۹۷۸ء

## حالاتِ مُصنف

از جناب مولانا آغا ہدی صاحب مرحوم سابق مدیر الاعاظ

### ولادت

۲۹ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ مئنگل کے دن اپنے وطن علی نگر پالی ضلع گیا میں پیدا ہوئے اور تاریخی نام ”عدیل اخڑ“ رکھا گیا۔ آپ کا سلسلہ انسب چھبیس<sup>۱</sup> داسطون سے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

ابتدائی تعلیم درس سیلما نیٹ پرنسپل مولانا عافظ فرمان علی صاحب مرحوم سے حاصل کر کے مرکز علم و عمل لکھنؤ میں آئے۔ یہ وقت وہ ہے کہ لکھنؤ میٹے حال پر بھی اہل کمال سے چھلک رہا ہے۔ فقہ، اصول، منطق و حکمت، ریاضی و فلسفہ، کلام دادب و معانی بیان کے ماہر موجود ہیں، اور شہر کے ہر گو شہر میں درس دیندے رہے کا چرچا ہے۔ مشائع الشرائع درس ناظمیہ میں مدارج علیہ کی تحریک فرمائی اور ممتاز الافاضل کی سند امتیاز خاص کے ساتھ حاصل کی۔ ممتاز الافاضل ہونے سے پہلے آپ لا آباد یونیورسٹی کے اعلیٰ اسناد بھی حاصل کر چکے تھے۔ ناظمیہ درس میں درج فاضل کو ایک مدت تک آپ نے درس دیا اور سرکار نجم العلماء نے اس حسن خدمت کے صلے میں جو سندر عطا کی اسے مولانا نے اپنے لئے تاج عزت قرار دے کر تمام سرکاری اور غیر سرکاری اسناد میں معزز سمجھا۔

۱۹۱۹ءیں مدرسہ الاعظیین قائم ہوا۔ آپ پہلے طالب علم ہیں جنہوں نے افتتاح کے ساتھ مقاصد مدرسہ کو کامیاب بنایا۔ تین سال کی جدوجہد کے بعد ۱۹۲۱ءیں آپ اپنی جماعت میں سب سے اعلیٰ درجہ میں کامیاب ہو کر مدرسہ کی تعلیم سے فارغ ہوئے اور جو بیان و بنگال آپ کا مرکز تبلیغ قرار پایا۔ جہاں بھی آپ کا تقریز مجاہب مدرسہ قرار پایا۔ وہاں کی تقاضی زبان حاصل فرمائی۔ چنانچہ بنگال میں بنگل زبان حاصل کی۔ کچھ مدت کے بعد یوپی کے مغربی اضلاع میں شدید کارروائی۔ اس نازک فضا میں جس حسن و خوبی سے آپ نے مدرسہ کے مفاد کو کامیاب بنانے میں خدمات انجام دیں وہ آپ کے مخصوص کارناموں میں ہیں۔

۱۹۲۳ءیں آپ کو مدرسہ نے جزاً افریقیہ میں فریضہ تبلیغ پر مأمور کیا۔ قیمہ ہندوستان کا صوبہ سرحد آپ کی والپی کا بکمال شوق منتظر تھا۔ افریقہ سے والپی کے بعد ہی باشندگان صوبہ ہند کی دعوت پر مدرسہ نے مولانا کامر کرزا تبلیغ پشاور مقرر کیا۔ یہاں کے زمانہ قیام میں مدرسہ نے کچھ مدت کے لئے تبت کے دورافتادہ علاقہ میں آپ کو مأمور کیا اور آپ وہاں گئے اور باشندگانِ تبت کو اپنی نذری خدمات سے جس طرح معلمین فرمایا وہ ایک مفید اور دلچسپ تبلیغی شاہزادہ ہے جس کی رو ردا درسالِ الواقعۃ کے صفات میں موجود ہے۔ فرقہ انوشنیشیہ کے خیالات کو صحیح مرکز پر فاقم کرنا اور دہناء جماعت کے غلط اصول کو شکست دینا آپ کے تجربہ اور تدریب کی بہترین مثال ہے۔

یہاں سے والپی کے بعد آپ اپنے مرکز تبلیغ صوبہ سرحد تشریف لائے اور ۱۹۲۶ءیں ۱۹۲۶ء تک کامران آپ نے اس نامہوار زمین کے ہموار کرنے میں صرف فرمایا۔ جون ۱۹۲۶ءیں آپ کا تقریز بیشیت والٹ پرنسپل مدرسہ الاعظیین ہوا۔ اہل پشاور مولانا کے ہکنوآنے پر کسی طرح رضامند نہ تھے مگر حضرت نجم العلماء کے فرمان سے پر اندراختہ

ہو کر رخصت کیا۔

اپنے درس و تدریس کے نظام میں جدید اصلاحات پیش کئے اور اپنے تحریکات کی بنیاد پر انتخاب تعیین تبدیل کر کے بنا نہ کیا اس عہدہ پر خدمت کو ایک ہی سال موافقاً کر پسپل صاحب نے انتقال فریا اور ارباب حل و عقد نے اپنے خدمات کی قدر دانی فرمائے پسپل کے عہدہ پر مقرر کیا۔ مولانا کا انتخاب عہدہ پسپل پر ہونے کا اعلان ہوتے ہی پر اونسل شیعہ کا نفرنس صوبہ سرحد انگلش اسٹریزی صوبہ کو ہاٹ اور دیگر اداروں نے مدرسہ کو اپنے بیانات تبریک سے مطلع کیا جو اواخر ۱۹۳۲ء میں موجود ہیں۔

۱۹۳۲ء سے تا انتقال اپنے حضرات واعظین کی تعلیم و تربیت فرماتے رہے۔ اپنے صفات پر مختصر روشنی ڈالنے کے لئے اخبار افسوس نے "مورخہ افروزی ۱۹۳۲ء کے ایک طویل مضمون کا ایک حصہ درج ذیل ہے:

"اپ سب سے پہلے طالب علم میں بھروسے مدرسے جامعت میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کئے اور اچ تک مدرسے کی تحریری و تقریری خدمت انجام دیتے رہے۔ اخبار کا مطالعہ کرنے والے اور مدرسے واعظین کے تبلیغی خدمات سے دلچسپی رکھنے والے اس سے بخوبی واقف ہیں کہ موصوف نے ہندوستان کے علاوہ افریقہ اور برتاؤ میں بھی تبلیغی خدمات انجام دی ہیں۔ موصوف اردو، فارسی و عربی کے ماہر ہونے کے علاوہ انگریزی، بھارتی، پشتو، پنجابی اور سواحلی زبانوں میں بقدر ضرورت تحریر و تقریر فرمائے ہیں۔ موصوف نے مذاہب غیر کاغذی میں بھی مطالعہ کیا ہے اور اس کے تعلق مفید و دلچسپ مصایب میں بھی شائع کرتے رہے ہیں۔ اپنے ہندی میں بھی واظبت

رکھتے ہیں اور بآسانی لکھ کر طبع سکتے ہیں۔ فی زماننا جو طرز تبلیغ اقوام عالم کا ہے  
اپ اس سے بھی باخبر ہیں۔“

ظاہرہ داری اور نام دنوں سے آپ کو قطبی نفرت تھی۔ وسعت مطالعہ کا حال مدرسہ  
واعظین کے عظیم الشان کتب خازنی کی سیرے سے دریافت ہو سکتا ہے۔ بکثرت وہ کتابیں ہیں  
جن پر عربی میں جواشی موجود ہیں۔ یہ علیٰ نوٹس جب تک کتب خانہ قائم ہے مرحوم کے  
باتیات الصالحات میں ہیں۔ مددوح نے اپنی عمر میں بھتنی قومی تحریکیں ہوئیں اُن کو کامیاب  
بنایا۔ مخاذ حسینی اور سربرا ایکی ٹیشن میں آپ ہی کے قلم کی گردش کا اثر تھا جو اسیری کے لئے  
پشاور اور بنجاب اُندھ آیا۔ وہ منتظر عام پرائنس کے ہادی نہ تھے۔ جس مقصد کو صحیح سمجھتے  
تھے، اس کو مد پہونچانے میں بلا تحریک مصروف ہو جاتے تھے۔ عشرہ اور چھتم کے دن اگر  
لکھنؤ میں قیام ہوا تو صرف ایک کالا کرنسیاں ہن کرو اور سرد پاپر ہن کر بلا تشریف لے جاتے تھے۔  
مشائیں مقدسہ کی زیارت سے بھی خدا دن دن عالم نے دوبار ۱۹۲۵ء اور ۱۹۳۹ء میں مشرف کیا  
اور آپ کو علام بروجری خلائق کی وکالت کا بھی اعزاز حاصل تھا۔

انتقال سے دو سال پہلے زیارت ہر میں کا بھی شرف حاصل ہوا اور حج بست اللہ  
کی زیارت ہوا جہاڑ سے کی۔ اس سفر کے دچھپ اور تاریخی حالات استقلال، لکھنؤ  
کی متعدد اشاعتیں میں طبع ہو چکے ہیں۔ جو آپ کی تالیف کی حیثیت ہے۔

## تفتاری

دنیا کے شیعیت کا چھپا آپ کے مواعظ اور تقریروں سے واقف ہے۔ لکھنؤ  
کا پورا ال آباد، اگرہ، فیض آباد، اعظم گڑھ، بنارس، مرشد آباد، کلکتہ، رنگون، مراد آباد،

منظفر نگر، دہلی، کاٹھیاوار، لاہور، لٹان، راولپنڈی، پشاور، مدراس، ویلو، بنگلور، سقط، مڈناسکر، زنجبار، کشیر، جتوں، اسکدو، لداخ، تبت وغیرہ میں معزک آرتقیریں فرمائیں۔ عشرت رحمانی صاحب ریڈیو اسٹیشن کے زمانہ میں ماہ محرم اور دیگر مواد قائم پرائل انڈیا ریڈیو سے بھی آپ کی تقریریں نشر ہوئی ہیں۔

## اعزاں ملکی

مولانا مرحوم کا چونکہ اُس خاندان سے تعلق تھا جس کے سرسلطان احمد کے سے۔ ایس۔ آئی علی اکبر کاظمی پرنسپل ٹریننگ کالج پٹنہ، ہوسی رضا صاحب کاظمی مکٹاٹل کشز اُف انڈیا وغیرہ مشہور ہستیاں محتاج تعارف نہیں ہیں۔ اس لئے سوں و ملڑی حکام آپ کی خاص عزت کرتے تھے۔ اپریل ۱۹۴۷ء میں جب آپ دہلی میں سرسلطان بالقاہ کے ہمراں تھے اور دہلی کی اسلامی کائفنس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تھے تو مولانا ابوالکلام آزاد نے سابق کے رواسم کی بنابر آپ کو اپنے یہاں دعوت دی اور اپنے تصانیف مطالعہ کے لئے دیئے۔

ہر اکسلینسی سروجنی نایڈ و گورنیو۔ پی نے آپ کو کمی مرتبہ گورنمنٹ ہاؤس میں باریاب کیا اور سیاست حاضرہ میں حصہ لینے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن اس علم نواز گورنمنٹ ہستی نے اپنے حدود و عمل سے تجاوز رکھ کیا۔

پشاور کے دوران قیام میں سرحد کے گورنمنٹ نگہم سے کئی بار ملاقات ہوئی اور اختلاف خیال میں آپ اپنی رائے پر سختی سے قائم رہے اور اتنی خاندانی عزتوں کے باوجود فقیرانہ نندگی بسر کی۔ ناکافی اور قلیل مشاہرہ پر شکر منعم اور فرانس کی ادائیگی میں دولہ ان

کی خاص صفت تھی۔ مال و دولت کی کبھی ہو سس نہیں کی اور ایسے ذرائع کے قریب  
نہیں گئے۔

## اخلاق

عام لوگوں کے ساتھ آپ کا فلق و مردت اس قدر قابلِ ذکر ہے کہ جو ایک مرتبہ  
آپ سے ملتا تھا اس کے دل میں آپ کی یاد بھیش تازہ رہتی تھی۔ غیر شیعہ حضرات کے  
ساتھ آپ کے خلق ہی کا نتیجہ تھا کہ پشاور اور مضامات پشاور کے اہل منت بھی اتنی ہی  
قدر و منزلت سے دیکھتے تھے جتنے شیعوں میں مقبول تھے۔

اپنے ہم درس (کلاس فیلو) افراد کے ساتھ آپ بہت ہی سادگی اور غیر معمولی  
عزت کے ساتھ پیش کرتے تھے۔ مدرس سلیمانیہ کے ہم سین طلباء میں نواب زادہ محمد مہدی  
صاحب ایم۔ ایم۔ سی، نواب علی سجاد صاحب، علی اکبر صاحب کاظمی اور مدرسہ ناظمیہ  
کے اہل علم و کمال میں مولانا سید محمد عید صاحب قبلہ و حافظ کفایت عین صاحب مولانا  
سید خود شید حسن صاحب قبلہ، حضرت قیس زنگی پوری کی خاص عزت کرتے تھے۔

## قبول مذہب حق

مولانا مرحوم کے تبلیغی کارناموں پر نظر کرنے سے وہ اسمارٹیشن کئے جاسکتے  
ہیں جنہوں نے آپ کے رو برو مذہب حق اختیار کیا۔ ضيق وقت میں ہم تفصیل سے قاصر  
ہیں۔ اور بخارج سالوں کا نام بتا کر اس مقام کو ختم کرتے ہیں۔ موصوف نے ۲۵ جنوری ۱۹۳۸ء  
کو عیسائیت سے تائب ہو کر حقانیت اسلام کا اقرار کیا اور اسلامی نام محمد جعفر

تجویز ہوا۔ (ملاظہ مطابق ۱۲ جولائی صبح کی نماز اور تعصیات سے فراغت کے بعد  
سُرپیں درد کی شدت ہوئی، آرام کے لئے لیٹ گئے۔ ۱۴ نجحے صبح کو کمزوری قلب نے  
حالتِ مزاج میں زیادہ تغیر پیدا کر دیا۔ ۱۵ نجحے شدید تپ اور غشی شروع ہوئی۔ افسوس  
ہے کہ یہ آفتاب علم و کمال ۱۶ شوال ۱۳۷۸ھ کو ہمیشہ کے لئے غریب ہو گیا۔ محروم نے  
چھپن سال کی عمر میں صرف ایک نوجوان صاحزادہ یہ ناصر حسین فخر الامان افضل بھوٹے۔  
خداوند عالم زیور صلاح و سداد سے آرستہ کرے۔ (الواعنۃ جولائی واگست ۱۹۵۱ء)

## وفات حضرت آیات

jabir.abbas@yahoo.com

# تصانیف علامہ عبدالخیر

از جناب مولانا شیخ محمد حیدر صاحب واعظ مرحوم

## امداد نظر الالف لخلافة خیر البشر

یہ کتاب اُستاد مرحوم نے مقام مجتہد گامڈھاگر (افریقہ) سے واپس آگئیات قیام پشاور اور صوبہ سرحد ماہ جون ۱۹۲۶ء میں تالیف کی تھی۔ مرحوم نے شروع کتاب میں مشہور و مسلم کتب حضرات اہل سنت کے نام اور ان کے مصنفین کے اسماء مع منہ و لادت ووفات تحریر فرمادیئے ہیں۔ نیز سینین طباعت و مطالعہ کو بھی ظاہر کر دیا ہے۔ جن کتابوں کے حوالے دیئے گئے، میں ان کی شہرت علمی دنیا میں عام ہے۔

دورانِ تحریر جن کتابوں سے حوالہ جات دیئے ہیں ان کے صفحات اور سطور بھی بخوبی نقل کر دیئے ہیں تاکہ کسی انصاف پسند حق بیس اور غیر جانب دار ناظر کو تلاشیں ماذیں زحمت و وقت اور سر ایسکی دبے اطمینانی نہ ہو۔ یہ کتاب تقریباً ایک ہزار آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں اُستاد مرحوم نے مختلف علوم کی روشنی میں بحث امامت و خلافت پر بنے نظری کتاب لکھی ہے۔

## ۶۔ الامان اگرہ و قلبیہ مطہریہ بالائیمان

یہ کتاب موضوع تقیہ پر لکھی گئی ہے جا شیر پر تحریر ہے کہ اصل رسالہ ﷺ اعیسیٰ لکھا گیا۔ پر زمان قیام اگرہ تبرکات شہید شالتؒ کی روح سے استمداد کی غرض سے مزار مقدس کے متصل بیوہ کرسو دہ نقل کیا جا رہا ہے لہذا انہیں کے نام پر مصنون کیا جا رہا ہے ضمیر میں مصنفؒ نے ان حضرات سے جو مذہبی سائل میں راہ صداقت و حق کے جویاں ہیں ان سے خاص طور سے اپیل کی ہے کہ میری کتاب کو بغیر کسی جانب داری کے بر اتفاق از اول تا آخر دیکھا جائے انشا اللہ عزوجلہ تسلیم کا باعث ہوگی۔

### مصدقہ تاریخ احمدی (مصنف جناب احمد حسین خان صاحب مرحوم پریانواں)

واب صاحب مرحوم نے تاریخ احمدی لکھ کر ایک بہت بڑا سرمایہ تاریخِ قوم کے سپرد فرمایا تھا جن کو ملک کے ہر گو شہ میں قدر و منزلت کی لگا ہوں سے دیکھا گیا مختلف موضوعات پر کتب اہل سنت و الجماعت سے عبارتیں بخشنہ حاشیہ پر منقول ہیں مگر کتاب میں حول نہیں ہیں۔ علامہ عبدالغفران اخترؒ نے اخاذ فرمائ کتاب کے احتجام میں بے حد کدکداوش سے کام لیا ہے اور صحیح مصنوں میں تاریخ احمدی کے متعلق قوم کی اہم ضرورت کو پورا کر دیا۔ چنانچہ اسٹاد مرحوم نے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے:

”تاریخ احمدی مولفہ جناب شیخ احمد حسین صاحب اپنی خوبیوں کے سب  
اس قدر جلد شہور اور اتنی زیادہ مقبول ہوئی کہ مصنف کی زندگی ہی میں وہاڑہ  
سر بارہ چھپ کر تشنیحگان، خانائی و طالبان واقعات واقعی کو تخلی دو رکنے

اور اصلیت پر پردہ ڈالنے والوں کی نظمت کو کافوڑ کرنے میں سیکھائی کام کر گئی ..... میں نے اضافوں کو اصل کتاب میں مخلوط نہیں کیا تاکہ صفت کی محنت نمایاں رہے ..... وہ سب اضافے بطور "صلوات تاریخ احمدی" مناسب مقام کے ساتھ خوالوں کے صفات کے ہمراہ لکھئے اور کچھ بالکل آخر میں بعرض افادہ بڑھا دیئے ۔

(عدیل اختر، درستۃ الاعظین، مکھنٹو، ۳۱ مارچ ۱۹۵۹ء)

### ۳۔ فلسفہ اسلام یا علم کلام

یہ کتاب موضیم تقریباً اتنے صفحات پر مشتمل ہے۔ موضوع خود عنوانِ کتاب سے ظاہر ہے۔ کافی جدوجہد اور تلاش کے باوجود کتاب کے اول دوسریں کہیں زماں تفسیر کا پتہ نہیں چلتا۔

### ۴۔ اصحاب البیین ما اصحاب الشمال ما اصحاب الشمال

یہ کتاب علم رجال مرحوم نے نہایت سلیس اور آسان طرز پر لکھی ہے۔ اور مختلف مقامات پر بحث و تقدیل کے طریقوں سے روشناس کرایا ہے۔ ماہرین و شاگقین فن رجال کے لئے ایک نادر و گراں پہا سرمایہ علمی چھوڑا ہے۔ زیرِ نظر کتاب کے آخریں استاد مرحوم نے مددوح اصحاب سولؐ میں بعض حضرات کے حالات معتبر کتابوں سے تحریر فرمادیئے ہیں۔ یہ کتاب ۲۳ ذی الحجه ۱۳۷۳ھ احمد طابنی، راکتوبر ۱۹۵۹ء انگلشی گئی اور تقریباً اسی شمارہ صفحات پر مشتمل ہے۔

## ہدیہ لیں شبلی

استاد علام نے تاریخ یامناظرہ میں ایسی یادگار چھوٹی ہے جس کے متعلق وہ خوفزدہ کرتے تھے کہ: ”میں نے مولانا خبلی فرمائی کی تالیفت کو بخوبی دیکھ کر ایسا جواب لیا ہے کہ جس پر تمام ارباب انصاف کو مرتسلیم خم کرنا پڑے گا۔ یہ کتاب بہت مختصر ہونے کے باوجود وہبی بڑی گرامیاں اور مامرا ناز تحقیق علمی کا پھوٹ ہے۔ جو مرحوم کا عصر حاضر میں طرہ امتیاز تھا۔ یہ کتاب ہمار ستمبر ۱۹۳۷ء کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

## علمی خیانتیں

یہ کتاب کسی فن سے مستقل نہیں بلکہ خود مستقل بالذات یہ ایک فن ہے جس پر اپنے ہم کسی نے قلم نہیں لٹھایا تھا خود مرحوم کو اپنی یہ تصنیف محبوب تھی۔ واقعہ انہوں نے اس گران ہما اور اہم فریضہ سے دیگر علماء اسلام کو ان کی ذمہ داری سے بکدوش کر دیا ہے مصنفوں نے آخر میں مقصد کتاب کی وضاحت اس طرح کی ہے:

”اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ جن حضرات کے پاس اس وقت اصلی کتابیں موجود ہیں ان کی خصوصی خفاہت کریں جن کے پاس نہیں ہیں وہ جو حاصل کریں تو کوشش کر کے وہ نسخے حاصل کریں جو غیر محنت میں اور آئندہ نسلوں کے پاس یہ سند رہے کہ تابوں میں اس طرح ”علمی خیانت“ کی گئی ہے۔“

## تیکین الفتن فی صالح الحسن

امام حسن علیہ السلام کی مہتر اور مدلل تاریخ ہے میرسری طور پر میں نے بھی اس کتاب کو دیکھا ہے اور مرحوم کے دہ الفاظ بھی اب تک کاؤن میں گنجھتے ہیں جب کہ فرماتے تھے: ”امام حسن کے واقعات بھی واقعہ کر بلکہ سچے کچھ کم نہیں تھے۔“

## قطعات تازنخ وفات مصنف

مرتبہ خاں بولانا یاد ناصر حسین صاحب زیری می پڑنے

فارسی

۱۔ سال نوتش بہ معجزہ گفتہ شد مکین ارم عدیل اختتہ  
جذب بولانا یاد ناصر حسین صاحب قبل نکبت رحم

۲۔ چوں دلم سال رحلت پر سید گفت ہائف عدیل اختر واد  
جذب بولانا عبد الحسن صاحب قبل مرحم

۳۔ جئزا بخت کے معیود نپیش فرمود و ادخلی جنتی پا کیزہ زبان بندہ مومن  
جذب سید میر ٹھی مرحم

۴۔ برائے سال سیمی دہجریش زار بجو، یگانہ مخصوص شد عدیل اختر  
جذب زار سیتا پوری مرحم

جذب زار سیتا پوری مرحم

جذب زار سیتا پوری مرحم

اردو

۵۔ اختر بے عدیل ڈوب گی

جذب مہذب لکھنؤی مرحم

۶۔ اے حسین عمل کی باد صبا جنت کے مسافر کیا کہنا

جذب زار سیتا پوری مرحم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## صلح کے بارے میں غلط فہمی کا سبب

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خير خلقه  
اجمعين وعلى عترته وذراته الموصومين ولعنة الله على  
اعد ائمهم المكذبين الصالحين من يومها هذا الى يوم الدين -

واضح ہو کہ غیر مسلم قوانا واقف، ہی ہیں خود مسلمانوں کو بھی اکثر اسلامی حالات واقعہ اور ان کے علل و اسباب سے لامی کے بسب اس قسم کے شہادت پیدا ہو جاتے ہیں، جو نہ صرف ذہانت کی تیزی اور حادث پر طبع آزمائی تک محدود رہتے ہیں بلکہ ان کے اثرات نہایت دور چاہوئے پختے ہیں اور اگر ان کو دور نہ کیا جائے تو با اوقات اتفاقی و اجتماعی عقائد سے باہر ہو جانے کا سبب بن جاتے ہیں جو نہایت درجہ افسوس ناک ہے۔ عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ واقعات پر رائے ذہنی سے پہلے غیر جانب دار ہو کر تامہ پیلوؤں پر غور کر دیا جائے، عقل و نقل کے معیار پر جانچ دیا جائے، دلیلوں کی کسوٹی پر کس لیا جائے پھر کوئی رائے قائم کی جائے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں جگہ کوششوں دھن

وحسین علیہما السلام) کی زندگی اور ان کے تمام حرکات و سکنات اس اجھاں کی تفصیل کے جانے کے مستحق ہیں جو ذاتِ سرورِ عالم میں پیچیدہ اور آپ سے وابستہ تھے (اور بہ نظر اصحاب دیکھنے والوں کے زدیک یہ نہایت واضح بھی ہے) لیکن ظاہر ہر ہی اور غیر ملک و ملت کے اہل فلم کی نکتہ آفرینی کا بڑا ہو کر بنے مجھے سمجھے سادہ لوح اور نا واقعہ یا منتصب اور خود غرض لوگوں میں یہ زہر پھیل گیا کہ امام حسن علیہ السلام کی صلح نازیبا تھی یا خلاف عقل و شرع تھی اور اس سے ان غیر منطقی نتائج کو چپکا دیا گیا جو کسی طرح میزان عقل میں کوئی وزن ہی نہیں رکھتے۔ اس طرح امام مسومؑ کی ذات پر نہایت عامیانہ و جاہلانہ اعتراض کے تیرپاراں کر دیے گئے۔

واقعات پر سرسری نظر ڈالنے اور اس کی اصلی غرض و غایت اور اس کے واقعی اور گھرے نتائج سے غافل رہنے کے سبب اسلامی دائرہ سے باہر رہنے والی دنیا کے علاوہ حلقة بگوشانِ اسلام بھی بہت کچھ اس عظیم الشان قربانی کی جلالت و عظمت کے تصور میں غلط فہمی کا شکار بن گئے ہیں جو اللہ میں بحتمام کر بلکہ اپنی فقید المثال صورت سے مظلوم کر بلانے پیش فرمائی ہے۔

اس رسالہ میں یہی نے چاہا ہے کہ صلح امام حسن علیہ السلام کے مسئلہ پر روشنی ڈال کر بتلاؤں کہ آپ کے تمام اقدامات خواہ کسی صورت کے ہوں بالکل اسی طرح واجب الاحترام ہیں اور مطابق عقل و شرع ہیں اور ایسے ہی عظیم الشان نتائج اپنے پہلوؤں میں لیے ہوئے ہیں جس طرح جناب سید الشہدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اعمال و افعال میزان عقل و شرع میں نہایت موزوں قابل تأشیش

ہیں اور ان کا گہر ان نقش اور دور رس نتیجہ رہتی دنیا تک ماتقابل محو و ہبود ہے گا۔ کسی مسلمان بلکہ کسی باعقل کو واقعات اور حالات کی پوری اطلاع اور جانچ کیے بغیر کئے قائم کر لینا اور اس میں تعجیل سے کام لینا ناروا اور غلط ہے۔

یہ بھی ملاحظہ رہے کہ اس مسئلہ (صلح امام حنفی) میں ایک خاص پیداگی اس لیے پیدا ہو گئی ہے کہ امامت و بنوتوں کے ساتھ جمع ہونے والی حکومت اور دنیاوی سلاطین کی سلطنت کے معنی اور مقصد میں خلط بحث کر دیا جاتا ہے اور ایک مسئلہ سیاست کا درمیان میں آجاتا ہے اور چونکہ دنیاوی حکومت کی سیاست ہی عام انسانوں کی آنکھوں کو خیر کیے ہوئے ہے اکثر لوگوں کو بنوتوں اور امامت کی حکومت میں بھی انھیں سطوت و جبروت کی چنگاریوں کی تلاش ہوتی ہے جو خرمن صلح و انسانیت کو اندر ہی اندر سلاطیتی رہتی ہیں اور جب بھڑک اٹھتی ہیں تو اپنے انھیں شعلوں سے اپنا کام بھی تمام کر دیتی ہیں۔

اگر امام حنفی، امیر المؤمنین اور سرور دوجہاں کی صلح کے متعلق کوئی دنیاوی سیاست کا ماہر قلم اٹھاتا تو غالباً وہ زیادہ لکھ سکتا مگر مشکل یہ ہے کہ ایسے حضرات تو ہم تین عام رجیانات ہی کی خوبیوں پر نظر استھان ڈالتے ہیں اور ظاہر ہے کہ عوام کی نظر اور ان کا رجحان طبع نقد اور فانی لذتوں کو ترک کر کے نیہ اور دالمنی حاصل کا شدابنے آسان نہیں۔

اس موضوع پر میں اس نقش اول کو اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ ممکن ہے کہ اس ناچیز تحریر کے بعد کسی اور صاحب قلم کو اس امر کی طرف توجہ ہو جائے اور وہ اس سے بہتر لکھ سکے، یا احباب و ارباب علم حضرات کا نقد و تبصرہ دوبارہ اس کی

خامیوں کو درست کرادے۔ واللہ المستعان

## کتاب کے بنیادی اجزاء

اس رسالہ کے دراصل تین جزو ہیں:

پہلاں لوگوں کی تسلیم اور تشفی کے لیے جو اپنے آپ کو شیعہ کہتے ہیں۔

دوسرا ان لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے جو غیر شیعہ مسلمان ہیں۔

تیسرا ان صاحبانِ انصاف و عقول کے خور کے لیے جو غیر مسلمان ہیں۔

اسی ترتیب سے اول پہلا جزو لکھتا ہوں اس کا تعلق صرف شیعہ حضرات سے

ہے۔

## صلاح امام حسن شیعہ کے نزدیک

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان نبوت فرمانا تھا کہ سارے جماز بلکہ روئے زمین یا یوں کہیے کہ کل کائنات میں ایک نایاب انقلاب پیدا ہو گیا۔ آپ کی تیس سال کی زندگی کچھ ایسے انداز سے گزری کہ تاریخ اس کی نظر پیش کرنے سے قادر ہے۔ ابتدائی خلقت سے جن لوگوں پر نظر پڑتی ہے اُنکو کوئی بُنی یا سلطان اتنی مدت اور ایسے ماحول و حالات میں اس طرح اپنے مش کو اتنا کامیاب نہ بنا سکا اور لطیفہ یہ کہ قیامت تک کے لیے اس میں ایسا استحکام و قرار پیدا کر دیا جس کی کوئی ثالہ ہی نظر نہیں آتی۔ آپ کے حالات زندگی آپ کے

کلمات اور فرمانات آپ کے بتائے ہوئے طریقے اور آپ کے مقررہ کردہ پیشوں  
ایسے نہیں کہ جن کی مثال تاریخ عالم میں مل سکے۔ گزشتہ حالات کے سچے اور ضروری  
اطلاعات آئندہ حادثے کے متعلق بہترین رہنمائی و پیشیں گوئی ایسی مکمل و مصدق  
کہ نہ سرو فرق، نہ ریب و شک کی گنجائش، نہ ذرہ برابر گرا ہی وضلالت کا خطہ۔  
ان حالات پر نظر ڈالنے والا اگر انساف کی نظر سے آپ کے بارہ معصوم جانشینوں  
کے اعمال و افعال، ان کے سوانح حیات کا مطالعہ کرے تو کسی کے متعلق ہر گیری  
کا ہرگز موقع نہیں پاسکتا۔ چونکہ اس رسالہ میں صرف امام حسن علیہ السلام کی صلح پر  
بحث کرنا ہے لہذا دیگر حضرات کے حالات کی تفصیل نہیں کی جائے گی۔

کسی شخص کی ذات یا اس کے اعمال و افعال پر بحث کرنے سے پہلے اس کی  
حیثیت و حالات کا سمجھ لینا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ امام حسن علیہ السلام کی صلح جو  
زیر بحث ہے تین حیثیتوں سے دیکھی جاسکتی ہے:

۱۔ شیع نقطہ نگاہ سے کیونکہ آپ شیعوں کے نزدیک بارہ اماموں میں سے  
دوسرے امام معصوم اور منصوص و منفرض الاطاعتہ ہیں۔

۲۔ اہل سنت کے خیال سے، اس لیے کہ اگر آپ کو اُس طرح امام نہ بھی مانیں  
جس طرح شیع کہتے ہیں پھر بھی آپ کی امانت ایک حد تک وہاں بھی مسلم ہے۔ اس  
کے علاوہ بہر حال آپ واجب الاحترام مسلمان، صحابی، سید شباب اہل الجتنۃ اور  
فرزند دریجان رسول ہیں۔

۳۔ عام انسانی خیال سے، اس لیے کہ آپ عالی خاندان مسلمان ہیں۔ باقی اسلام  
کے نواسے ہیں۔ حضرت علیؓ جو بقول شیعہ پہلے اور بقول اہل سنت چوتھے خلیفہ

تھے ان کے فرزند ہیں، جیسی کچھ سہی اور جتنے دنوں کی ہی آپ کو خلاف حکومت ملی ہے اس لیے حاکم اور سردار فوج ہونے کی یادیت کے ماں کہاں ہیں۔

تاریخ و حدیث کا مطالعہ صاف بتلاتا ہے کہ امام علیہ السلام کی صلح تینوں مذکورہ بالا یادیت سے انتہائی دانشمندی تھی اور ایسا حکیماز فعل تھا جس کی خوبیاں نہ صرف آپ کی حیات تک محدود رہیں بلکہ اس مشن کو پوری طرح محکم کرنے کا ذریعہ تھی جس کا اعلان بعثت لاتصریح مکار مالا اخلاق اور هوالذی بعثت فی الامیین رسولانہم یتلوا علیہم آیاتہم ویزکیّهم ویعلمہم الکتاب والحكمة وات کیا نوا من قبل لفی ضلل میں (جعفر) اور الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجده و نہ مکتوباً عندهم فی التوراة والانجیل یأمرہم بالمعروف وینهہم عن المنکر ویحل لہم الطیبات ویحرم علیہم المخابث ویضع عنہم اصرہم و الاغلال الی کانت علیہم۔ (پ، ۹۴) وغیرہ کے ذریعہ ہو چکا تھا جن میں سرور عالم کے آئے کے مقصد کو صفات صاف واضح کر دیا گیا تھا۔ بلکہ صلح حسن نے دراصل امام حسینؑ کی آئے والی قربانی اور زرع عظیم کی تکمیل تاثیر کی داع غبیل ڈالی تھی۔ چنانچہ جب اس شہادت عظیم کا ٹھیک ٹھیک وقت آیا اور حسینؑ نے بڑی آن بان سے اس امتحان میں کامیابی حاصل کر لی تو اس درخت میں ثرا آیا جو حسنؑ نے لگایا تھا اور اسلام کے بھیں میں اسلام کشی کا جو بھوت ڈھانٹ کا اور جو بھوت تراشایا تھا اس کا پردہ چاک ہو گیا، آنکھوں والوں پر روشن ہو گیا کہ محمدؐ و ذریتہ مصطفیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا چاہئے تھے اور سلطنتوں کا بہاؤ کس طرف تھا۔

## امام حسن علیہ السلام کی صلح شیعہ کے نزدیک کسی طرح قابل اعتراض نہیں ہو سکتی جو ہوا وہی عقل کا تقاضا تھا :

شیعوں کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ جب تک کوئی شخص مخصوص اور منصوب نہ ہو اُسے امام اور بانی شیعہ رسول مانا ہی نہیں جاسکتا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ امام صاحب اجراز ہوتا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ امام کا علم وہ بھی ہوتا ہے جس تعلیم خدا اور رسول علم ما کان و ما یکون بھی امام کی دسترس سے باہر نہیں۔ اب یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اگر کوئی شخص امام حسنؑ کی امامت کا بھی ادعاء کرتا ہے اور پھر آپؑ کی صلح کو قابل اعتراض سمجھتا ہے تو اس کا تشیع کیسا ہے۔ یا تو اس نے امام حسنؑ کو امام مانتے ہیں غلطی کی یا امام کے فعل کو صرف معمولی جیشیت کے آدمی کے مثل سمجھا جو مخصوص نہ ہونے کے سبب غلط کر سکتا ہے، یا امام کی عقل کو اپنی عقل سے کم جانا کر، ہم جس بات کو ظلم کھلا غلط سمجھ رہے ہیں معاذ اللہ امام کی سمجھی میں اتنی واضح اور سامنے کی بات بھی نہ آئی اور اس طرح نہ صرف دامنِ حسنؑ ہاتھ سے چھوٹتا ہے بلکہ رسول مقبولؐ اور علی مرتضیؑ بھی ہاتھ سے جاتے ہیں، جنہوں نے معاذ اللہ ایسا امام منصوص و منصوب کر دیا۔ اور آگے چل کر سید الشہداء رحیم امن بھی چھوٹتا ہے کہ انہوں نے ایسے امام کی اعطات کی اور ان کو امام مانا، بلکہ چونکہ نص اور عصمت کی بنیاد اول خود خداوند عالم سے شروع ہوتی ہے انکار کا سلسلہ دہائی تک جا پہنچتا ہے کہ اس نے معاذ اللہ غلط انتخاب کیا اور ایسے شخص کو امام بنایا جو مصالحِ رعیت سے بے پرواہ اور تن آسانی کا دلدارہ اور اپنی جان بچانے کا دالہ دشیدا تھا۔ اگرچہ ایک باعقل

کے لیے اتنا ہی کافی ہے لیکن مزید اطمینان کے لیے یہ بھی عرض کر دینا مناسب ہے کہ جس حسینی قربانی نے ایسا والہ و شد اکر رکھا ہے کہ صرف مر جانا ہی خدمتی نظر آتا ہے اور دوسری تمام دینی کوششیں کوئی قیمت نہیں رکھتیں اس کی بھی کوئی حیثیت رہ جاتی ہے یا نہیں (العیاذ باللہ) غلط کار امام کا بنایا ہوا امام یعنی امام حسین کا نامزد کردہ امام مظلوم پھر امام ہی کہاں رہتا ہے۔ اگر شیعیت کے اصول سے لیجئے تو حسین علیہ السلام کے لیے زاجماع زاستخلاف زشوری زاستیلا۔ صرف شیعیت ہی کے قاعدہ نض و عصمت سے تو امام حسین تک امامت پہنچتی ہے پھر معاذ اللہ و امام ہی کیا جو غلط کار کا بنایا ہوا ہو۔ اور زصرف بنایا ہوا بلکہ اس کا مطیع اور زصرف زندگی کا مطیع مرنے کے بعد تک مطیع اور زصرف محض اطاعت بلکہ امامت کا فائل۔ ان امور پر نظر کر کے کسی شیعہ کے لیے کیا گنجائش ہے کہ امام حسنؑ کے کسی فعل کو خلاف عقل کہہ سکے، یا معاذ اللہ یسمجھے کہ امام حسینؑ نے ایسے شخص کو امام مانا، یا اس کی اطاعت کو واجب سمجھتے رہے جو ڈرپوک یا عیش پرست تھا اور با وجود اس عزم واستقلال کے جس کا انہیا کر بلایں ہوا معاویہ صاحب سے نہ لڑ پڑے اور اسی کے پابند رہے جو امام حسنؑ نے کیا اور معاذ اللہ ان کی غلطی کی اپنے عمل سے تصدیق کرتے رہے۔ اگر اس موقع پر محفوظ دنیا داری اور رشتہ داری کا الحاظ کرنا خیال کیا جائے تو اور بدتر ہو جاتا ہے حق کے مقابلہ میں نسی اور کا خیال معاذ اللہ۔ یہ تو تھا زمانہ حیات امام حسنؑ کا ذکر، اب اور اہم موقع وہ ہے جو امام حسن علیہ السلام کی وفات کے بعد اس وقت تک کا ہے جب تک معاویہ کا انتقال نہیں ہو چکا۔ یعنی پورے دس سال۔

اس زمانہ میں حسین معاویہ سے لڑ کر کیوں نہ شہید ہو گئے۔ حالانکہ امام حسن علیہ السلام کی زندگی کی بہبیت اب کچھ اور سختیاں بڑھ رہی تھیں۔ اسے اساباب بھی پیدا ہوئے جن سے اشتعال ہو سکتا تھا۔ امام حسن کو زہر سے شہید کر دینا ہی ایک ایسا واقعہ تھا کہ اگر ہماری سی نظر ہوتی تو امام حسین کے لیے جنگ کا اچھا خاصا بہاذ تھا اور ظاہر ہیں نظر میں اس پر اعتراض بھی نہ کرتیں لیکن امام حسین ہی کہ گویا کر بلا والے ہی نہیں۔ حالانکہ سن کی طرف غور کرو تو یہ زمانہ جلدی غصہ اور طیش میں آجائے کا ہوتا ہے مگر عصمت کے محبووں میں خاکی خطا کار کا بدوں کے خواص دیکھنا عدم بصارت نہیں تو فقدان بصیرت ضرور ہے۔ علیؑ بھی تو شباب کی عمر میں خون جگر پیتے رہے اور سائٹ کے قریب پہنچ کر ددبارہ میدانِ جنگ میں کو روڑے اور پھر آئے تو کیسے آئے، بہر حال باوجود علم امام حسین جنگ نہیں فرماتے، آخر کیوں؟ مفترض صاحب کی تسلیم اس سے نہیں ہوتی کہ حالات اور موقع جنگ کا نہیں ہے لہذا حسین بھی چپ ہی ہیں اور اسی طرح خون جگر پی رہے ہیں جس طرح بڑے بھائیؑ کو پینا پڑتا تھا۔ زہر خورانی سے آپؑ کو اطلاع تھی جیسا کہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے جلال العیون میں لکھا ہے :

”قطب راوندی نے امام جعفر صادقؑ سے ردایت کی ہے کہ امام حسن اپنے اہل بیت سے فرمایا کرتے تھے کہ میں بھی زہر سے اسی طرح شہید کیا جاؤں گا جس طرح رسولؐ خدا۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کام کون کرے گا؟ آپؑ نے فرمایا کہ میری زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیس۔ معاویہ اس کے پاس پوشیدہ طریقے سے زہر بھجوئے گا

اور حکم دے گا کہ وہ مجھ کو کھلا دے۔ المز

(جلدار العیون حالات امام حسن)

امام حسین علیہ السلام کو اولاً بعقیدہ شیعراً مور غیبیہ میں دخل ہونا ظاہر ہے یوں بھی زہر دلانے والے کا پتہ معلوم ہو گا۔ اگر آپ ظاہر نہ فرماتے جب بھی خیال ہوتا کہ آپ پر ظاہر تھا لیکن اب تو قصر تھے ہو گئی۔ شیعہ اور اہل سنت موسیٰ و مصطفیٰ نے جو روایات لکھے ہیں ان سے واضح ہے کہ امام حسنؑ کو معاویہ صاحب نے زہر دلوایا۔ امام حسنؑ کے مرنسے پر علی الاعلان خوشی منانی۔ آوانہ تکمیر بلند کی بحدہ شکر گیا۔ باوجود ان باتوں کے امام حسینؑ نے جنگ نکی اور معاذ اللہ (گویا)، اپنی جان پچاتے رہے۔ تو کیا ہر موقع جنگ، ہی کا ہوتا ہے اگر ایسا مانا جائے تو پھر امام حسینؑ پر بھی اعتراض پڑتا ہے۔

امام حسنؑ کو زہر دلانے والے صاحب معاویہ ہیں:

ذکورہ بالاروایت شیعہ کتاب کی ہے اب ہم اہل سنت کی کتابوں سے چند روایتیں نقل کرتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ امام حسنؑ کو زہر دلانے والے صاحب معاویہ ہیں اور ان کو اس پر کسی مسرت ہوئی ہے:

۱۔ امام حسنؑ کو آپ کی عورت جدہ بنت اشعت بن قیس کندی نے زہر دیا۔ اس مطلب کے لیے معاویہ نے مخفی طور پر یہ

لہ جدہ حضرت ابو بکر کی بھائی اور اشعت بہنوں تھا۔

چال کی تھی کہ جدہ سے کہلا بھیجا تھا کہ اگر تو کسی جلد سے حسن کو قتل کر دے تو میں تجھے ایک لاکھ درہم بھی دوں گا اور تیرا مزید کے ساتھ بیاہ کر دوں گا۔“

(مرجع الذہب سودی برحاشیہ نفع الطیب ۲ ص ۱۸۳ طبع مصر سطر اتا ۵)

۲۔ آپ کو آپ کی عورت جدہ بنت اشعت بن قیس کندھی نے زہر دیا، اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ یہ امر معاویہ کی انتہائی چالاکی سے بذریعہ اس عورت کے عمل میں آیا ہے۔“

(استیحاب بن عبد البر ص ۲۴۱، مطبوع جیدر آباد وکن)

۳۔ ”معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت لینے کا ارادہ کیا تو اسے حسن ابن علی اور سعد بن ابی وقاص اس راہ میں نہایت گراں گذر سے چنانچہ خفیہ سازش نے دونوں کو زہر دلا کر دونوں کام تمام کر دیا۔“

(ابن ابی الحدید معتبری، شرح نفع البلاعہ ج ۲ ص ۷، طبع مصر و ص ۲۰ جلد نہ کور)

۴۔ ”جب معاویہ کو امام حسن علیہ السلام کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی فوراً سجدہ شکر میں گر پڑے۔“

(ابوالقدار ج ۱ ص ۱۸۲ طبع مصر۔ عقد فرید ج ۳ ص ۳۴۳ سطر ۱۹)

۵۔ طبع مصر۔ مرجع الذہب سودی برحاشیہ نفع الطیب ج ۲ ص ۲۲۸

واقر کی تفصیل مردج الذہب اور دیگر تواریخ سے مل سکتی ہے محل حضرا

میں آواز تبکیر کا بلند ہونا ابن عباس سے اس باب میں گفتگو وغیرہ قابل ملاحظہ ہے۔  
 مختصر یہ کہ ان واقعات سے واضح ہو گیا کہ امام حسنؑ کو معاویہ نے زہر دلایا مگر  
 باوجود شہرت و علم حضرت امام حسینؑ نے جنگ نہ کی۔ اس کے علاوہ جب امام حسنؑ کو  
 قبر رسولؐ پر لے گئے اور وہ دردناک نظر پیش آیا جس پر محبانؑ آل رسولؐ ناقیامت  
 روئیں گے، بلکہ انسانیت ماتم کرے گی۔ (مردہ کے جنازہ پر تیرباراں کیا گیا حتیٰ کہ  
 میت کے جسم سے متعدد تیر نکالے گئے) پھر بھی امام حسینؑ نے جنگ نہ کی۔ جنگ کے  
 لیے اب اور کیا بہانہ اور اساب ہونے چاہئیں۔ آخر ان واقعات کا کوئی جواب  
 ہے یا ایسے حالات میں امام حسینؑ کو بھی معاذ اللہ تو ردِ الزام فرار دیا جائے اس طرح  
 امام حسینؑ کے حالات شہادت سن کر اور امام حسنؑ کے حالات کو بغیر معلوم کیے ہوئے  
 ایک کی تجھیں اور دوسرے پر اعتراض کرنے سے "ایں ہم رفت و آں ہم رفت" کا  
 مصدقہ بن جانا پڑے گا۔

### مزید سامانِ تسلیم:

ابھی شیعوں ہی کی تسلیم کے لیے عرض کر رہا ہوں کافی تو اتنا بھی ہے مگر مزید  
 تسلیم کے لیے اور واقعات و حالات لکھے جاتے ہیں جن سے انسان ان واقعات  
 اور اساب کو سمجھ لے گا جو امام حسن علیہ السلام کے لیے باعثِ صلح ہوئے تھے اور  
 جن کا خیال کر کے آپ کو خوب گلو بہانے کے بجائے خون جگر پینا پڑا تھا۔  
 مذہب شیعہ بلکہ عام عقل کا مقتضی یہ ہے کہ اولادِ انبیٰ یا امام کی معرفت و انتساب میں  
 پوری کدو کاوش کی جائے۔ عقلی اور نقلی طریقوں سے امتحانی اور راستکانی آزمائش

کر لی جائے تب کسی کی نبوت یا امامت کا اعتقاد کیا جائے پھر اس کے بعد یہ ضرور ہے کہ جب نبی یا امام مخصوص ہاتھ آجائے اب اس کے احکام و افعال میں چوں و چڑا کی گنجائش نہیں۔ قرآن مجید میں "اطبِعُوا اللہَ وَ اطْبِعُوا الرَّسُولَ وَ اولی الامر منکم" ہے کسی وقت، زمانہ، حالت یا امام کا استشارة نہیں، ہر حالت واجب الاتباع ہے۔ دیا پھر لیے بے اعتبار رسول یا امام کو انتیار ہی نہ کیا جائے جس کی ریاست یا ذہانت پر اپنی ریاست و ذہانت سے بھی کم بھروسہ ہو۔ سمجھنے کے لیے ایک شال طبیب کی ہے، مریض و تیمار دار کا فرض ہے کہ دعا لاج سے قبل ہر طرح لائق اور قابل اعتماد معالج معلوم کریں لیکن تشخیص کے بعد اس کے نسخہ اور بتائے ہوئے پر میرزا چوں و چڑا نہ کریں ورنہ مریض کا خدا ہی حافظ رہے گا۔ ایمان داروں کے لیے احکام رسول کے متعلق غیرہم الفاظ میں قرآن نے اعلان عام فرمایا ہے :

(اے رسول !) تھا سے پر وہ کارکی	فلا در بک لایؤمنون
قسم یہ لوگ سچے ہوں نہ ہوں گے تا قیک	حتی یمحکموٹ فیما شجر
اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم (رہ)	ینهم ثم لا یجدوا
بنائیں (پھر بھی نہیں بلکہ) جو کچھ تم فیصلہ کرو	فی نفسہم حرجا ماما
اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں	قضیت ویسلموا تسليما۔
بلکہ خوش خوش اس کو مان بھی لیں۔	(پ ۵ ع ۲)

اس سے واضح ہو گیا کہ ایک شخص اپنے آپ کو اسی وقت ایمان دار کہہ سکتا ہے جب خدا رسول اولی الامر کے فیصلہ کو اس طرح مانے کہ نہ صرف زبانی بلکہ دل میں بھی

کوئی خلش نہ رہے اور بالکل تسلیم کر لے۔ شیعوں کے نزدیک یہ بات محتاج بحث نہیں کہ انکر مخصوصین علیہم السلام کی طاعت، رسول کی طاعت اور ان کی نافرمانی رسول کی نافرمانی ہے اور سمجھیں آئندے کی بات بھی یہی ہے یا تو اس کو بنی یادی نہ مانو یا پھر اس کی عقل اور عمل کو اپنی عقل اور عمل سے بالاتر سمجھو۔ یہ سلسلہ بھی شیعوں کا سلسلہ ہے کہ انہر اشنا عشریں سے ہر ایک کی اطاعت و انقیاد بالکل ایک طرح بلکہ ایک شخص کی کسی ہے جس نے ان میں سے کسی ایک کا انکار کیا اس سے خود بخوبی سب کا انکار ہو گیا۔

پس یہ سمجھنا چاہئیے کہ امام حسن پرنکت چینی اور امام حسین کی تھیں سے خدا، رسول یا خود امام حسین راضی ہیں بلکہ اپسے شخص کو امام حسین کے دربار سے بھی کوئی انعام نہ لے گا۔ ایسا غرہ فرب نفانی اور اغوا سے شیطانی اور حیله اطمیسی ہے جو عبادت و محبت کے بھیں میں معصیت و عداوتوں کی ششوونما دے رہا ہے۔ ایک شیعہ کے لیے تو یہی کافی ہے کہ امام حسن امام مقصوم ہیں ان کا ہر قول فعل حرکت و سکون میزان عصمت میں ٹلا ہوا ہے اور اعتراض سے بالاتر ہے، مستثنی اتباع و تھیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ہماری سمجھیں کسی فعل کی مصلحت یا کسی عمل کی قیمت نہ آتی ہو مگر اس سے اس کی غلطت میں کیا کمی آسکتی ہے جو بنس خدا اور رسول واجب الاتباع مقرر کیا جا چکا ہے، انہر علیہم السلام کے اعمال و افعال کے جملہ فوائد و مصالح تک ہر نظر نہیں پہنچ سکتی۔ لیکن ہماری ناواقفیت اور کم علی اصل جو ہر کی شرافت و غلطت میں کمی نہیں پیدا کر سکتی، آئندہ جو چیزیں نقل کی جائیں گی اُن سے کچھ دجوہ دا باب و مصالح کا اندازہ ہو سکے گا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ

بھی اور صرف اتنے ہی مصالح تھے۔ یہ صرف نمونہ اور اندازہ کے لیے ہیں۔

### علوم ائمہ :

یحییٰ شیعہ ہونے کے ہمارا عقیدہ ہے اور تاریخ و دیگر کتب اہل اسلام  
ہماری تائید میں ہیں کہ ائمہ علیہم السلام کے علوم لدنی اور وہی تھے بذریعہ انسانی تعلیم  
و تعلم عام انسانوں کی طرح کبھی نہ تھے۔ چنانچہ ہم اسی بنابر انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کو  
مجتہد ہیں کہتے کیونکہ اجتہاد کا نتیجہ ظہیر اور ان حضرات کے علمی پایہ سے پست ہے۔  
ان کے علوم یقینی اور اجتہاد سے بلند تر ہیں۔ اس بنابر ائمہ کے تمام افعال و اعمال  
صرف اُن ظاہری واقفیتوں پر مبنی نہ تھے جو عام انسانوں کے لیے ہوتے ہیں۔  
 بلکہ علوم کی انتہائی حقیقت کے مطابق اور ان احکام کے موافق تھے جو بذریعہ  
رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سینہ پرینہ انھیں بارگاہ رب العزت سے پہونچتے تھے  
یا وقاراً فوتاً بلحاظ موقعاً و مصالح بذریعہ تحدیث والہام انھیں ملا کرتے تھے۔  
علام محلی علیہ الرحمہ نے جلال الدیون میں تحریر فرمایا ہے:

”خوب سمجھو کو کہ ائمہ ہدیٰ کی عصمت و جلالت مان لینے کے بعد یہاں

نہے کہ ان حضرات سے جو کچھ داتع ہو اُسے صاحبانِ ایمان کو مان لینا ہی  
چاہیے اور اس پر شہر و اعتراض نہ کرنا چاہیے۔ ہمین پرواضع رہنا چاہیئے  
کہ ائمہ جو کچھ کرتے ہیں وہ دراصل خدا کی طرف سے ہے اس پر اعتراض  
کرنا خدا پر اعتراض کرنا ہے۔ یہ بات ہم پچھے بتا کچھ ہیں کہ خداوند  
عالم نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک صحیفہ

بیجا تھا جس پر بارہ ہریں تھیں۔ ہرامام (اپنے اپنے وقت میں) اپنی  
ہر قوڑتا اور جو اس میں لکھا ہوتا اس پر عمل کرتا تھا۔  
علامہ مجلسیؒ کی اس تصریح کی تصدیق ائمۃ علیہم السلام کے ان اعلانات سے  
ہوتی ہے جو واقعات آئندہ کے متعلق ان حضرات نے مختلف موقعوں پر فرمائی ہیں۔  
امیر المؤمنینؑ نے بارہا فرمایا ہے ماکذبۃ و ماکذبۃ۔ اپنی شہادت  
کے متعلق جو خبریں دی ہیں جن میں بتلایا ہے کہ رسول اللہ ایسا فرمائے ہیں۔ امام  
حسینؑ کا واقعات از ابتداء سفر تا شہادت بیان فرمانا، خصوصیت شہادت گاہ  
کا امام سلمہ کو دھلا دینا۔ اہل بیتؑ کے ساتھ لے جانے کے لیے محمد خفیہ سے اُن  
الله شاء أَنْ يَرَاهُنَّ سَبَايَا، فرمانا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا منصور کی  
حکومت کی جردنما۔ امام رضا علیہ السلام کا واعبل کے مرثیہ میں وَقَبْرُ بَطْوُسِ  
کا اضافہ فرمانا۔ موقع ولیعہدی پر اس کے ناتمام ہونے کا اعلان وغیرہ  
حافظ بتلاتا ہے کہ اس باب ظاہری ہی تک محدود دعوم کی پابندی نہ تھی بلکہ انہیں  
جو حکم جس طرح دید یہ گئے تھے وہ ناقابل ترمیم تھے اور عصمت کے قدوں  
میں دنیاوی آندھیاں لغزش نہیں پیدا کر سکتی تھیں۔

## نظام عمل

ائمۃ اہل بیتؑ میں سے جس نے جو کچھ کیا وہ اپنے زمانہ میں اُن حوادث  
کے لیے انہیں احکام کامن عند الشریعہ مورثہ "کائننا ما کائن" اگر سکوت  
لئے جو کچھ بھی ہو۔

تھا تو پہ پابندی علم کرنے۔ اگر قول تھا تو بہ اتباع قلیم الہی وہی۔ اس قاعدہ سے کوئی امام مستثنی نہیں چنانچہ امام حسنؑ کی مصالحت اور جان نہ دینا بھی اس وقت ان شرائط اور ان حالات کے اختت مطیک حکم خدا و قلیم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اور بالکل مطابق تھا جس میں ذرا شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اور امام حسنؑ کا میدان کر بلایں مع اپنی چھوٹی طسی جماعت اعزہ و انصار دریاۓ خون میں ڈوب جانا بھی حرث بہ حرث باطنی تعلیمات والہا ت کے مطابق تھا۔

اگرچہ واقعات گذرے ہوئے ہزار سال سے زیاد ہو گئے مگر تاریخیں اب بھی اپنے دامن میں ان جواہر کی حفاظت کر رہی ہیں جن سے حقیقت کا پیکر آراستہ ہو جاتا ہے۔ ظاہرداری اور ظاہرہ رستی اور آجھکی کی اصطلاح کا پروپنڈا باطن میں اور حق پرست قلوب میں اضطراب نہ پیدا کر سکتا تھا ز کیا۔ فخری کی عبارت ذیل ملاحظہ ہو:

”جب امیر المؤمنین علیہ السلام خوارج سے جنگ کے لیے نکل تھے تو خوارج کچھ جلدی آگے بڑھنے لگے، تو لوگوں کو خیال ہوا کہ خوارج چل سے پار اُتر کے چنانچہ لوگوں نے آپ سے اگر عرض کی کہ یا امیر المؤمنین وہ لوگ چل سے پار اُتر کے (جلدی) ان سے مقابلہ کر لیجئے ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ دور نکل جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ تو چل کے اسی پار قتل کیے جائیں گے، خدا کی قسم تم میں سے دس آدمی بھی قتل نہ ہوں گے اور ان میں سے دس آدمی بھی نہ

بچیں گے۔ یہ سن کر آپ کے قول میں لوگ شک کرنے لگے۔ لیکن جب مل کے قریب جا کر دیکھا تو یہی دیکھا کہ وہ لوگ واقعًا بُل کے پار نہیں گئے ہیں اس وقت اصحاب امیر المؤمنینؑ نے نعرہ تکمیر بلند کیا اور آپ سے عرض کی کہ یا امیر المؤمنینؑ! آپ کا ارشاد بجا تھا۔ آپ نے فرمایا یا انہوں (کیوں نہ ہو) قسم بخدا میں نے زبھی جھوٹ کہا اور زبھے سے کبھی جھوٹ کہا گیا۔ (یعنی جس نے مجھے بتلایا ہے وہ رسولؐ ہیش کا صادق، امین ہی تھا)۔

(دفتری مطبع رحمانیہ مصروف، ۱۳۹۵ھ)

اس واقعہ کے تفصیلات دوسرا کتب میں بھی موجود ہیں۔ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے ارشاد میں اس واقعہ کو اور ذرا تفصیل سے لکھا ہے (اس سے لوگوں کی سازش اور امتحان امیر المؤمنینؑ کا بھی پتہ چلتا ہے) معلوم ہوا کہ ان حضرات کے افعال صرف ظاہری شور و غوغاء اور سرسری اطلاعات پر مبنی نہ تھے بلکہ ان یقینی علوم پر مسترت ہوتے تھے جو بوجی الہی رسولؐ تک اور بقیہ ایمانیں پہنچنے ہوتے تھے۔ اس قسم کے واقعات کتب سیرہ تاریخ میں کم نہیں ہیں جن میں اس کی تصریح ملتی ہے کہ غیر قبیلہ کے ذریعہ ان حضرات نے آئندہ واقعات کو بتلایا اور پھر اس پر متفرع ہونے والے احکام دیے یا اس کے خود پابند رہے۔ مختصر یہ کہ جتنا ک صالح بھی انہیں مخصوص احکام کی پابندی ہیں ہوتی تھی۔ اس کی مثال انبیاءؑ سالقین میں بھی موجود ہے۔ جناب ابراہیمؑ، حضرت لوطؓ، حضرت نوحؑ، حضرت یوسفؓ

کی کس کس طرح مخالفت کی گئی اور ان پر کیا کیا نظم و ستم کیے گئے۔  
 ملکان حضرات نے جنگ کر کے جان نہ دے دی، بلکہ کبھی شہر چھوڑ کے،  
 کبھی تقبیہ میں زندگی بسر کر کے جان بھائی لیکن اپنا کام کیمہدا کیا، اور جب  
 نافرمانوں کے ہلاک کرنے کا وقت آگیا تو آسمان سے باراں اور تنور سے  
 فوراً ان شروع ہو گیا۔ "لَا تَذْرُ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِ مَيْدَانًا"“  
 کا عمل ہو گیا۔ جناب تھیں و ذکر یا علیہم السلام نے تین ہونا اور زیر اڑہ  
 اگر طکڑے ہو جانا تو اسکی اور اپنی بات پوری کی (وہی الہی مشن) جناب  
 عیسیٰ نے جنگ نہ کی، پر نہ کی (اپنا کام کر گئے)، جناب موسیٰ نے جب حکم  
 پایا صفت آرائی کی، ورنہ وہی موسیٰ تھے جو کس طرح چھپتے پھرتے تھے (مگر  
 ہر حال میں اپنا کام کرتے ہی رہے اور یہی کامیابی اور ان کی زندگی کا  
 مقصد اصلی تھا۔ سچ ہے:

ذہر جائے مرکب تواں تاختن  
 کجاہا سپر باید انداختن

خدا کے پیارے اور اس کی طرف سے خلق خدا کی اصلاح پر مامور  
 بندے دنیا اور اہل دنیا کی مدد و مددت پر نظر نہیں رکھتے بلکہ انہیں وہ  
 خدمت پیاری ہوتی ہے جس پر خدا نے انہیں مامور کیا ہے اور اس کی  
 ترویج و بتقاو استحکام کے لیے وہ اسی دستور العمل کے پابند ہوتے ہیں  
 جو خدا کی طرف سے انہیں دیا جاتا ہے۔ اگر اصل خدمت ادا نہ ہوئی تو  
 لاکھ دوسرے محنتات آجائیں سب ناقابلِ التفات۔ اور اگر اصل خدمت

ادا ہو گئی تو لا کھہ چھنے والے چھنا کریں ان کی طامتہ تینجی کس مسلمان میں یہ دم ہے کہ روح اللہ کو ٹوکے کہ آپ نے موئی اکی تینجی کیوں نہ بلند کی، یا کس مسلمان کے منہ میں زبان ہے کہ کلیم اللہ سے پوچھے کہ آپ نے یہی اذکر یا اسی مظلومی کیوں نہ اختیار فرمائی۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی قربانی تو مظلومی کے بسب قابلِ تحسین رہ جائے اور امام حسنؑ کی صلح با وجود ان شاندار نتائج کے جو صلح سے حاصل ہوئے صرف مرزا جانے کے سبب قابلِ نکتہ چینی بن جائے۔ اگر ابیاء، سابقین کے اختلاف عمل کی توجیہ، اختلاف حالات ہو سکتی ہے، تو ان دو ذوالجگہ کو شکران خاتم الانبیاء کے اقدامات کو بھی اختلاف وقت ابتدأ وقت سے مقابلہ کے لیے مختلف سلاح کے استعمال میں حق بجانب ہی کہنا چاہیے۔ ایک کا وقت ایسا تھا کہ "صبرت وفي العین قذى وفي الحلق شحي ارجى تراثى نهيا" کامنظر دیکھیں، دوسرے کا عہد یہ تھا کہ "الإيمانى عملاً وقوع هو على الموت امر وقوع الموت عليه" پر کاربند ہو جائے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں وہ کیا جو چاہیئے تھا اور اس سے بہتر نہیں زندگانی کی طاقت ہے کہ پیدا شہدار کی قربانی کا حق درج ادا کر سکے اور کس کا جگر ہے کہ مظلوم مسوم کے خون بگرپینے پر جبر و صبر کر کے دین میں کی حفاظت کا حق تو صیف پورا کر سکے۔ اصل

لہ میں نے صبر کیا حالانکہ آنکھوں میں خلش تھی اور حلق میں پھنسے لگئے ہوئے تھے۔ میں اپنی میراث کو لٹھتے دیکھ رہا تھا۔

لہ نکر نہیں موت مجھ پر غالب آئے یا میں موت پر غالب آؤں۔

یہ ہے کہ دونوں شہزادوں کے وقت اور ابناے وقت میں نمایاں فرق ہے جن کا سابقہ معاویہ سے تھا، حسینؑ کا قصہ یزید کے مقابلہ کا تھا۔ شیعہ، شیعی، مسلم، غیر مسلم کوئی شخص جو ذرا سی بھی واقفیت رکھتا ہو گا یہ نہیں کہہ سکتا کہ معاویہ و یزید کا عام مطالبہ، معاویہ و یزید کا سن، معاویہ و یزید کا حسن و حسینؑ سے مطالبہ، معاویہ و یزید کی عام انسانوں سے خواہش، معاویہ و یزید کا برداشت، معاویہ و یزید کا مزاج، معاویہ و یزید کا یکی طرف، معاویہ و یزید کے متعلق عام مسلمانوں کا عقیدہ، بالکل یکساں تھا۔ تاکہ مقابلہ کرنے کے لیے دونوں کے مقابلہ میں یکساں سلاح اور ایک سی سیاست صحیح ہو سکے۔

شیعوں کے ماننے ان حالات اور واقعات کی زیادہ تفصیل اس لیے ضروری نہیں کہ وہ بہت کچھ جانتے اور صنتے رہتے ہیں۔ البتہ آئندہ ابواب میں غالباً اس کی ضرورت پڑے۔ اجمالاً اگر ان ذکورہ بالا حالات کے اتیاز و تفرقہ پر نظر کر لی جائے تو بہت کچھ اشکال حل ہو جائے اور ہر گز امام حسنؑ سے کربلا کی سی قربانی کا مطالبہ اور حسینؑ سے صحیح حسنؑ کی خواہش کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

## امام حسنؑ کی صلح حضرت علیؓ اور رسالتہ کے افعال و احکام

سے موپید ہے

قرآن مجید اور احادیث اہل اسلام کتب تواریخ و تفاسیر نہایت وفات سے تدقیقہ کا حکم بیان کر رہے ہیں۔ لیکن اگر ان سے قطع نظر کی جائے تو شیعہ تو تدقیقہ

سے انکار ہی نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں ایک طرف تقیہ کے جواز کا قول اختیار کرنا اور دوسری طرف امام حنفی کو اس کا موقع نہ دینا اس درجہ تعجب خیز ہے۔ پھر اس صلح کو اگر تقیہ کی ایک فرد کہہ دیا جائے تو اعتراض ختم ہوا جاتا ہے اگرچہ کوئی کوتاہ فہم یا ضدی طبیعت تقیہ سے خوش نہ ہو مگر دور بین اور حکمت پسند انسان تقیہ سے کنارہ گشی کریں گے۔ ظاہر ہے کہ تقیہ اسی وقت ہوتا ہے جب تقیہ نہ کرنے میں اس سے طی خرابی پیدا ہوتی ہو۔ ظاہر ہے اگرچہ تقیہ کرنے والا شکست کھاتا ہے مگر واقع میں وہ اصول اور انسانیت کی فتح ہوتی ہے۔

ابنیاء کے سابقین کی سیرت پر نظر ڈالیے، جناب ابراہیمؑ کے داتعات، جناب معینؑ کے حالات کیا بتاتے ہیں، خود مسروط کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کیا کہتی ہے۔ قرآن و احادیث نے کس تکیہ مذہبی رفتار کی تعلیم دی ہے کیا جاویجا جنگ کرنا مدد و روح ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

جب ہم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر موقع جنگ کا نہیں تھا، ورنہ پر جگہ آپ نے تکشیر یعنی ہی سے کام لیا ہوتا۔ لیکن صبر و سکوت کے معنی ہرگز نہیں کہ جانب مخالف کی حقیقت ثابت ہو جائے۔ جب، جب، ہی رہے گا اور صبر، صبر، ہی کھلاے گا۔ غور کیجیے، جناب رسالت مآب نے ابتداءً دعوت اسلامی مخفی شروع کی، جیسا کہ تو ارتخ اور احادیث سے روشن ہے، ابتداء ہی میں آپ نے اعلان نہ کر دیا۔ اگر ایسا کرتے تو لا محال مادی سامان میں غلبہ رکھنے والے کفار غالب آجائتے اور اگرچہ آپ کو شہادت کا درجہ حاصل ہو جاتا مگر اس سے زیادہ اہم اور

ضروری مسئلہ جو آپ کی غرض بعثت تھی یعنی تیم مکارم اخلاق و ترویج دین اسلام وہ آپ کے ساتھ ہمیشہ کے لیے دفن ہو جاتا اور آپ اپنے مشن میں پوری طرح ناکامیاب ہو جاتے۔ چاہے کوتاہ نظر کہبی لیتا کہ آپ بڑے نذر تھے بڑے بہادر تھے، سارا عرب ایک طرف آپ نے اکیدے اپنی بات کا اعلان کر کے چان دے دی۔ لیکن کیا یہ واقعی قابل تحسین امر ہوتا، ہرگز نہیں بلکہ مشن کی ناکامیابی پر تو کوئی نذر اور بہادر بھی مشکل ہی سے کہتا البتہ نافہم اوپری کہا جاتا۔ ابھی تو یہ پہلی منزل تھی جس نے بتایا کہ جنگ نہ کرنا ہر جگہ معیوب نہیں۔ جنگ نہ کرنے والا ہر موقع پر باطل پرست نہیں ہوتا۔ جنگ کرنے سے مقابلہ کی حقیقت ثابت نہیں ہوتی۔ جنگ کر کے جان دیدینے کے مقابلہ میں مشن دہدایت و تبلیغ دین (حق) کی کامیابی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اگر جنگ نہ ہو اور اس طرح مشن کامیاب ہو جائے تو جنگ نہ کرنا اور مشن کو کامیاب بنانا دانا نی اور پیروی سنت رسول ہے۔

اس سے زیادہ واضح اور مشرح آنحضرت کے احکام ہجرت جبše اولیٰ اور ہجرت جبše ہانیہ ہیں کہ آپ نے کفار کے تغلب دایداً ارسانی سے تنگ ہمگر مسلمانوں کو ایک نصرانی بادشاہ کی پناہ میں بھیجا لیکن اتنے حضرات کو لیکر جنگ نہ کی۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ جبše میں مہاجرین کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی تھی، اور حیات القلوب میں ہے کہ علاوہ ۲۷۸ عورتوں کے اور بچوں کے صرف مردوں کی تعداد ۲۷۸ تھی جس کا مطلب بھی تقریباً اسی حد تک پہنچتا ہے۔ ان کے علاوہ وہ لوگ بھی تھے جو مکہ ہی میں رہ گئے تھے باوجود

اتنی تعداد کے جس میں حضرت علی، حضرت جعفر طیار، عبد اللہ بن مسعود، زبیر بن العوام، عبد الرحمن بن عوف، ابو بکر، عثمان بن عفان، عثمان بن مظعون ایسے ایسے لوگ شامل ہیں یعنی ظاہراً مددگاروں کی بھی کمی نہیں (ان میں کچھ شیعہ سنی دونوں کے خیال کے مطابق کچھ خاص خاص عقیدہ کے لحاظ سے بڑے اہم لوگ موجود ہیں اور سب کے نام نہیں لکھے جاتے۔ ظاہر ہے کہ تین چار سو آدمیوں میں سے ابھی اور بہت سے نبڑاً زماں کے نام باقی ہیں۔ اب فرمائیے کیا رسالت مائب کا جنگ نہ کرنا جان نہ دے دینا کسی شیعہ مسلمان بلکہ کسی باعقل غیر مسلم کے نزدیک بھی قابل طامت ہو سکتا ہے؟ آخر امام حسن کا جان نہ دینا کیوں قابل طامت ہے، درآئخانیکہ آپ کے مددگاروں کی تعداد بالکل محدود بلکہ بتا بلہ دشمن مفقود تھی۔ جس کی تفصیل کتب سیر و تواریخ میں موجود ہے جو تاویل سرور کائنات کے جنگ نہ کرنے کی ہو سکتی ہے وہی امام حسن کے لیے بھی حاصل ہے۔ (یہ شہر نہ ہو کہ مہاجرت جہش کی تعداد بالکل ہی کچھ حیثیت نہ رکھتی تھی کیونکہ جب ہم اسلام کی سب سے پہلی اور نہایت اہم جنگ پر نظرڈالتے ہیں تو باوجود دشمن کی بہت بڑی تعداد کے بدر میں مسلمان صرف ۳۱۳ ہی تھے)۔

ذرا اور بڑیسے سائے بخشت میں رسول صلیم دار ا رقم میں پناہ لیتے ہیں یہ وہ وقت ہے کہ علاوہ ان مہاجرین جہش کے مسلمانوں کی تعداد ۳۹۹ مردوں کی ہے ان میں حضرت حمزہ اور عمر صاحب بھی داخل ہیں (شیعہ و سنی دونوں انکھوں سے دیکھئے) لیکن رسول خدا ہیں کہ جنگ نہیں کرتے اور دار ا رقم میں چھپے بیٹھے ہیں (امام حسن پر اعتراض کرنے والے بہادری اور جبیں کے معانی پر غور کر کے

## جواب رکھتے ہوں تو عنایت کریں۔ کفار مکہ نے تذلیل کی، رُسو اکیا، ہر قسم کے مظالم کیے، مگر آپ نے جنگ نہ کی

یہ خیال نہ ہو کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اتباع پر کوئی تشدد تو تھا نہیں نہ انھیں ذلیل و رُسو اکیا جاتا تھا، نہ قتل و غارت کی نوبت تھی، نہ بدسلوکی و بدزبانی تھی۔ پھر کیوں لڑتے؟ اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے عظیم مصائب توڑے جاتے جس کی حد نہیں مگر ان سب ظاہری ذلتلوں کو برداشت کیا جاتا ہے لیکن جنگ نہیں کی جاتی بلکہ اصل مطح نظر پیش نظر ہتا ہے۔ آخراں وقت کیوں نہیں یہ سوال کیا جاتا کہ ایک بہادر اور بھائی کیا، علی کا استاد ایک غیر مند اور غیرت مند بھی کیا جس سے عالم نے غیرت کے سبق سیکھے۔ اعتہاد و احباب، اعوان و انصار کے ہوتے ہوئے کیوں نہیں آن گی آن میں سب کو فنا کر دیتا، یا خود لڑکر جان دے دیتا اور (خاکم بد ہن) اس طرح کی بے غیرتی یا صبر و سکوت گوارا کرتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے حالات اہل اسلام۔ غریب مسلمانوں پر ایسے ایسے مظالم کیے جاتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ کفار ان لوگوں کو گرم ریت پر دھوپ میں سُلاتے، گرم پتھر جسم پر باندھتے، دھوپ میں لوہے کی زردہ پہناتے، دُڑے مارتے، کھانا پانی بند کر دیتے۔ چنانچہ حضرت عمار یاسر اور ان کے والدین پر جو ظلم ہوا اس سے روح لرزتی ہے اور تن بدن کا نپ اٹھتا ہے۔ ایک دن عمار یاسر، ان کے والدین اور ہشیر کو گرم ریت پر لٹا ریا تھا اور مارتے جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

دیکھا اور فرمایا اسے آل یا سر صبر کرو کہ تھاری وعدہ گاہ جنت ہے۔ آخر کار ابو جہل مردود نے سیہہ مادر عمار کو نیزہ چھوکر ہلاک کر دیا اور یا سر کو اتنا مارا کہ جاں بحق ہو گئے۔ صہیب و حباب وغیرہ نے بھی اذتیں اٹھائیں۔ حضرت عمر اپنی لونڈی کو اسلام قبول کرنے پر اتنا مارتے تھے کہ تھک جاتے تھے اور پھردم لے کر مارنے لگتے تھے۔ اپنی بہن کو تو اس طرح مارا تھا کہ ہبوبیان ہو گئی تھیں۔ ابو جہل نے اپنی نیز کو اتنا مارا کہ اندر ہی مو گئی۔ بلاں کے آقانے غلاموں کو حکم دیا تھا کہ صبح کو دن چڑھے بول کے کانٹے بلاں کے بدن میں چھبودیا کرو اور جب آفتاب خوب گرم ہو تو ان کو دھوپ میں لٹا کر از سرتنا پا گرم پتھر رکھا کر دتا کہ ہل نہ سکیں اور گرد اگر دخوب آگ جلا دیا کرو کہ خوب جلیں۔ اور حب شام، ہوا تھا پیر باندھ کر اندر صیری کو ٹھری میں قید رکھو اور باری باری تازی یا نے مارا کرو اور صبح تک یہی کام کیا کرو۔ اسی طرح ایک مدت گزری مگر حضرت بلاں پکار پکار کر واحد کہا کیے۔ (دیکھو تاریخ اسلام، خود اُنحضرت کے ساتھ بھی الیسی بدسلوکیاں کی جاتیں کہ آپ نے خود فرمایا ہے: ما اوذی نبی کما اوذیت۔ آپ کو مجنوں کہتے، ساحر، کاہن اور اذیں قبیل کیا نہیں کہا جاتا۔ جب راہ سے گزرتے تو قریش کہتے کہ یہ شخص بھلاچکا تھا فعتہ دماغ پھر گیا۔ آپ کی گزرگاہ میں آپ کے گھر کے قریب گندگی ڈال دی جاتی، کانتے پچھائے جاتے۔ جو شخص مکہ میں آتا اس سے کہا جاتا کہ محمدؐ کی بات نہ مانا، غرض ہر طرح کی اذتیں دی جاتیں، حضرت حرم کعبہ میں آتے جب بھی تانے والے بازہ آتے وہاں بھی ستایا جاتا، آوازے کے جاتے، حتیٰ کہ ایک روز عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں پھندا ڈال کر گلا تک گھوٹا۔ برداشت خمیں دروضۃ الاحباب

وغيرہ۔ (یہ روایت بخاری، مسند احمد بن حنبل، صواعق محرقة، تفسیر کشاف میں بھی ہے)۔ اس پر حضرت ابو بکر نے روتا یعنی شروع کیا تو وہیں کفار نے ان کو ڈاٹا ہی پکڑ کر اتنا مارا کہ سر پھوٹ گیا۔ جب اخضُرَت بازار جاتے تو لوگ چھپیرتے طعنہ زدنی کرتے۔ جب وعظ فرماتے تو شور و غل پھاتے۔ تالیاں بجاتے، بیہودہ گیت سگاتے، خاک پھسنکتے۔ آپ خاتم کعبہ میں نماز پڑھ رہے ہیں، سر بسجہ ہیں کہ آپ پر اونٹ یا گوسفند کی اوچھڑی ڈال دی گئی ہے، (اس طرح عبادت تک کی اہانت ہو رہی ہے) غرض کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا مگر آپ برا بر صبر و سکوت کرتے رہے۔ بر روایت حیات القلوب آپ نے حضرت خدیجہ کے گھر میں پناہ لی ہے اور کفار بامہر سے سنگ باری کر رہے ہیں، اور حضرت علیؓ و خدیجہ رضیؓ آپ کے سینہ سپر ہیں۔ (اس صبر آزمائی کی مدت اور امام حسنؑ کی صبر کی مدت کا بھی مقابلہ کرو)۔

ان تمام حالات پر غور کرو، اس سے زیادہ کیا سختی، ذلت و رسولی،

اور ظلم تشدد ہو سکتا ہے۔ پھر سرد رکائیات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ بہادر غیرت مند کون ہو سکتا ہے۔ پھر بھی آپ کا جنگ نہ کرنا اور اس پر صبر و سکوت (پھر نہ ایک نہ دو برس، بلکہ اپنی مدت رسالت کا آدھا سے زیادہ زیادہ تک جنگ نہ کرنا) جو لوگ آپ پر ایمان لائے ہیں اُن کا گھٹ گھٹ کے مر جانا، قید و بند، تشنگی، گرنسنگی برداشت کرنا دیکھتے ہیں مگر نہ لڑتے، ہیں نہ جان دیتے ہیں۔ پھر آخر امام حسنؑ کا جنگ نہ کرنا کس طرح محل ایراد و اعتراض ہو سکتا ہے اگر رسول کے لیے صبر و سکوت ظاہری ذلت و رسولی کا برداشت کر لینا، اپنے ساتھ اور در در سے مومنین کا بھی اذیتیں اٹھاتے دیکھنا اور کچھ نہ بولنا

جاڑز ہے تو امام حنفی کے لیے بدرجہ اولیٰ جاڑز ہے۔

یہ حالات بہوت کے پھٹے سال تک کے تھے۔ ساتویں اور آٹھویں سال میں شب ابی طالب کی قید، اشتر اکبر وہ مصیبت غظمی متفقی جس کی انہا نہیں (جو بحیرت جشن میں نہیں گئے تھے وہ) تمام بقیۃ اعزہ والنصاری میں اس طرح قید ہونا کہ نہ کسی سے لین دین ہو سکے، نہ خرید و فروخت، نہ باتیں ہو سکیں، نہ ملاقاتیں، ساری رات حضرت ابوطالب خود بنفس نفس نفیس پھرہ دیتے ہیں، رسول خدا کو ایک جگہ سُلّاتے ہیں، کچھ رات گزرنے پر وہاں سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ لے جا کر سُلّاتے ہیں اور رسول کی جگہ پر علیؑ کو سُلّا دیتے ہیں۔ اسی طرح ادل بدل میں رات لگزاری جاتی ہے، پھر سارا دن اولاد ابوطالب پھرہ دیتی ہے اور اسی طرح بررسوں گزارنا پڑتے ہیں۔ یہاں تک نوبت پوچھی تھی کہ رات کو پتوں کی فریادوں سے کفار کی نیند بھی حرام ہو گئی۔ سب کچھ ہوا مگر نہ حضرت نے جنگ کی زبان دے کر مرتبہ شہادت حاصل کیا۔ آخر دہ وقت آیا کہ بغیر جلاوطنی چارہ نہ رہا۔ بحیرت مدینہ کی ٹھہری اس تمام دوران میں مصائب کا سلسلہ کچھ بڑھتا ہی گیا، انصار میں اضافہ ہوتا رہا امر حق بڑھتا گیا، اشاعت دین ہوتی گئی مگر جنگ نہ ہوئی (خاکم بد ہیں)، گھر چوڑ کے جہاں پڑا۔ بحیرت گوارا کی مگر لڑکے مر جانا منظور نہ ہوا۔ (اس کو بہادری کے خلاف کہا جائے، غیرت کے خلاف سمجھا جائے، جان چڑھانا کہا جائے یا یہ کہا جائے کہ اذیتیں برداشت کرتے ہوئے دین حق کی اشاعت کو مقدم کرنا۔ یہی اصل شجاعت ہے اور غیرت شرعیہ کا یہی متفقی ہے اور دین کی تعلیم و توجیح

ہی سب سے زیادہ قیمتی ہے، اب بہ نظر غور امام حنفی کے صبر و سکوت کو ملاحظہ کیجئے اور رائے دیجئے کسی مزید توضیح کی ضرورت نہیں، اگر عقل و انصاف کوئی دافعی پڑھے تو یہ بالکل واضح ہے کہ جس طرح کفار کے ظلم سہنے رہے اور دین رسول برپا کیا ٹھیک اسی طرح دین اہل بیت (جو حقیقی دین رسول ہے) امام حنفی کے ظلم سہنے کے زمانہ میں اندر اندر جو طریقہ تباہی اوجنگ کر کے مر جانے میں امام حنفی کے ساتھ ہی دفن ہو جاتا نہ تاریخیں اور خصوصاً محبان اہل بیت پر مظالم کی تاریخیں اس کی شاہد عادل ہیں، اور آگے بڑھئے تو ان واقعات سے اور زیادہ توضیح فائدہ -

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلح حدیثیہ ہے -

## صلح حدیثیہ :

ہجرت کا چھٹا سال ہے، ذی القعده کا ہینہ، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو خواب دیکھتے ہیں اور صبح کو مکہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں، ہماری جنین و انصار بھی ساتھ ہو لیتے ہیں، ڈیڑھ ہزار مسلمان ساتھ ہیں، منزیلیں طے ہوئیں، اب مکہ بہت قریب رہ گیا۔ ادھر کفار کو خبر ہوتی ہے کہ آنحضرت صَّ اتنے آدمیوں کے ساتھ آ رہے ہیں، چنانچہ مراجحت پر آمادہ ہو گئے۔ ادھر آپ کو اطلاع ملی، بس آپ نے مکہ سے ایک نزل ادھر ہی چاہِ حدیثیہ پر ڈیرہ ڈال دیا، طرفین سے ایسی آنے جانے لگے۔ مگر کچھ ایسا سامان ہو گیا کہ جنگ کی تیاری ہونے لگی۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے بیعت لینا شروع کی۔ ایک درخت کے نیچے یہ رسم ادا ہونے لگی (اسی کو بیعتِ رضوان یا بیعتِ شجرہ

بھی کہتے ہیں۔ ان بیعت کرنے والوں کو اصحاب سرہ بھی کہتے ہیں، خلاصہ یہ کہ یہ اقرار ہوا کہ زجاجیں گے زڑائی سے کبھی منع موریں گے۔ چنانچہ چودہ سو یا پندرہ سو عجیس آدمیوں نے بیعت کر لی۔ اب جنگ شروع ہونے کو باقی ہی کیا تھا کہ سہیل کو قریش نے صلح کا پیغام لے کر بھیجا، آپ نے اس دعوت کو رد نہ فرمایا اور بجائے اس کے کہ آپ اتنے معاہدہ کر چکنے والوں کو لے کر لڑ جاتے اور یا تو ج ہی کر لیتے یا پھر شہادت ہی نصیب ہوتی، صلح پر آمادہ ہو گئے۔

”چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی بن ابی طالبؑ کو ملا کر حکم دیا کہ لکھو بسم اللہ الرحمن الرحيم۔ اس پرسیل نے کہا کہ ہم اس کو نہیں جانتے باسم اللہم لکھو۔ چنانچہ یہ لکھا۔ پھر فرمایا کہ اس طرح لکھو کہ یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ اور سہیل بن عرونه مصالحت کی ہے۔ اس پر سہیل نے کہا کہ اگر ہم آپ کو رسول خدا ہی جانتے تو آپ سے جنگ کیوں کرتے البتہ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھوائیے۔ رسول نے فرمایا کہ اچھا لفظ رسول اللہ کو شاادو۔ اس پر حضرت علیؓ نے عرض کی ”رسول اللہ“ تو مجھ سے کبھی مٹایا نہیں جاسکتا۔ تب آپ نے خود کاغذ لے لیا اور ”رسول اللہ“ کی جگہ ”محمد بن عبد اللہ“ لکھ دیا، اور فرمایا کہ اسے علیؓ! ایک دن تم کو بھی ایسے معاملے میں بنتلا ہونا پڑے گا۔“ (تاریخ کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۲۷، طبع مصر)

اس صلح نامہ کے شرائط حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ میعاد صلح وس برس ہو گی، اس اشارہ میں کوئی فرقی دوسرے کی جان

مال سے تعریض نہ کرے گا۔

۲۔ فریقین کے ہم عہد بھی اسی معاہدہ میں شامل ہوں گے۔

۳۔ اس سال اہل اسلام عمرہ بھی نہ کرنے پائیں گے۔

۴۔ آئندہ سال سے مسلمان عمرہ کر سکیں گے۔

۵۔ جب مسلمان عمرہ کے لیے آئیں تو اپنے ساتھ اسلام نہ لائیں صرف تلوار

ستشی ہے مگر وہ بھی نیام کے اندر رہے گی۔

وہ مسلمان حرم میں تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں گے۔

۷۔ کفار میں سے اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس بھاگ

جائے تو واپس دیا جائے گا۔

۸۔ مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھاگ کر کفار سے جا ملے تو وہ واپس نہ کیا

جائے گا۔ دیکھوتا رتیخ ابن خلدون وغیرہ کی

صلح ہو گئی اور رسالت مآب کی آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں عام آنکھیں

بھلا کا ہے کو دیکھ سکتی تھیں۔ چنانچہ یہ صلح رحمۃ رحمٰن کی صلح کی طرح مسلمانوں

کو اس درجہ ناگوار گذری کر لوگوں کے قدم ڈال گئے اور حضرت عمرؓ کے متعلق

تو بخاری میں اس طرح لکھا ہے :

”عمر بن خطاب کہتے ہیں کہ اس وقت میں نبی صلعمؐ کی خدمت

میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ کیا آپ سچے رسول نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا

کیوں نہیں۔ میں نے کہا پھر کیا ہم لوگ حق پر اور ہمارے دشمن باطل

پر نہیں ہیں؟ آپ نے جواب دیا کیوں نہیں۔ تب میں نے کہا کہ پھر

کیوں ہم دین میں ایسی ذلت و رسوائی گوارہ کریں؟ آنحضرت نے جواب دیا کہ سنوبات یہ ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں، اُس کے حکم کے خلاف پکھ نہیں کرتا اور وہی میرا بندگا رہے ہے۔

(بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والصالحة)

ش اہل الحرب پارہ ۱۱، ص ۴۳، مطبوعہ کرزن گزٹ

پرنس دہلی۔ مناج (ترجمہ مدارج النبوة) جلد دوم، ص ۲۳۶

مطبوعہ نوں کشور پرنس لکھنؤ۔

اسی کے متعلق عہدۃ القاری شرح بخاری اور روضۃ الاحباب جلد دوم، ص ۲۵۸ مطبوعہ تیغ بہادر لکھنؤ ۱۹۹۷ء میں اس طرح ہے: لقد خلیفی امر عظیم و راجعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مراجعة ما راجعته مثلها قط (اس دن میرے دل میں ایسا دغدغہ عظیم داخل ہو گیا اور میں نے پیغمبر کے ساتھ ایسی رد و کرد کی جیسی اس سے قبل کبھی نہ کی تھی۔ بعض کتابوں میں شکست بھی ہے۔

”ابھی صلح نامہ لکھا ہی جاریا تھا کہ ابو جندل بن ہبیل پاپہ زنجیر آگی۔ اصحاب کے دل میں صلح دیکھ کر اس حد کی بدگانی ہو چکی تھی کہ قریب تھا کہ ہلاک (مگراہ) ہو جائیں کیونکہ رسولؐ کے خواب سے (غلط تعبیر خیال کر کے) سبھوں کو اسی سال فتح کا خیال ہو چکا تھا ادھر ابو جندل کو گرفتار دیکھ کر اس کا باپ بول اٹھا کر اسے محبرا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے اور آپ کے درمیان معاملہ

ط ہو چکا ہے (یہ مجھے واپس ملنا چاہیئے) آپ نے فرمایا کہ تو سچ کہتا ہے۔ آپ اسے قریش کی طرف واپس کرنے لگے تو وہ جنح اٹھا کر سلانو! مجھے مشرکین کی طرف اس لیے بسچ رہے ہو کہ وہ پھر مجھے بے دین کر دیں۔ اب کیا تھا لوگوں کے دلوں میں جو آگ بھڑک رہی تھی اُس میں شعلہ بلند ہونے لگے آخر رسول نے فرمایا، اے ابو جندل! اصر کر بے قرار نہ ہو خداوند عالم تیرے اور تیرے مکر زد سانقیوں کے لیے کشاوش اور مخلصی کی راہ نکالنے والا ہے چونکہ قوم مخالف سے وعدہ کر لے ہیں اب ہم اس کے خلاف نہیں کر سکتے۔“  
(کامل ابن اثیر جلد ۲، ص ۷۷ مصر)

”پس عمر بن الخطاب از جائے خویش بر جست دیا ابو جندل می رفت و می گفت.... و او را سبیل تعریض و کنایت تحریص می کر در آنکہ پدر را بکشد و آس صلح در ہم نور و د... لائن فے بکشن پدر زخمی نمود۔“ (روضۃ الاحباب ص ۳۵۸ و ص ۳۵۹)

ج دوم مطبوعہ تیغ سار لکھنؤ ۱۲۹۴ھ و طبیع ج ۳ ص ۸ طبع مصر خلاصہ یہ کہ صلح ہو گئی اور نٹولی اور انھیں شرائط پر ہوئی جو اور پر بیان ہوئی۔ کیا کوئی مسلمان ہجرات کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ رسول کی ملات کرے اور صحابہ کی اتنی تعداد اور پھر موت پر سب کی بیعت کے باوجود عبادت جو ز بجا لانا اور ایسی دبی ہوئی شرطوں کی صلح اور ظاہر ایسی بزدلی یا تن پروری دکھلانا اور لڑکے جان ز دے دینا کہلا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں!

بجائے کسی اور تصریح کے ہم اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ امام حسن کی صلح کو قابل اعتراض جانے والے اور آپ کی امامت میں اس طرح شک کرنے والے یا صلح کو غلط یا بے جا خیال کرنے والے شیعہ حضرت علیؑ کا ساحاب رکھتے ہیں اور ان کے جواب میں حضرت رسالت مآب کی طرح امام حسنؑ کی طرف سے یہی کہا جائے گا کہ میں وصی رسول خدا ہوں۔ ولست اعصیہ و هو ناصری (چنانچہ دونوں صلحوں کی ظاہری مکمل و ری کوئی چیز نہیں ٹھہری۔ نتیجہ کے اعتبار سے دونوں صلحیں شاندار کامیابی اور فتح میں ہو کر رہیں)۔

صلح حدیبیہ میں جو شہادتیں کی گئیں اس قدر عدد و مدد کے ہوتے ہوئے جنگ نہ کرنے اور بظاہر دبی ہوئی (اور بقول حضرت علیؑ کے دین کو ذلیل کرنے والی)، صلح کر لینے سے وہ شاندار نتائج رونما ہوئے جو کسی صاحب ہوش سے مخفی نہیں۔ ان لوگوں کو جو امام حسنؑ کی صلح پر اعتراض کرتے ہیں شرط ہفتم و هشتم پر خصوصاً نظر ڈالنا چاہیے۔ اتنی دبی ہوئی تو کوئی شرط امام حسنؑ کے بہان نہیں ملتی بلکہ روضۃ الاجاب جلد اول ص ۲۵۶ میں تحریر الفاظ ہیں: "در روز صلح حدیبیہ ہر شرط کے سہیل می کرد حضرت قبول می کرد"۔ امام حسنؑ کی صلح پر بعض لوگوں نے مذل المومین کہا ہے مگر اور کوتاہ میں اس کو نہ جانے کیا کیا سمجھتے ہیں لیکن اگر سرور کائناتؐ کی صلح پر فلم نعطی الدینیۃ فی دینا کہنا رسولؐ کے فعل کو غلط یا باعث تو ہیں دین نہیں ہونے دیتا اسی طرح امام حسنؑ کو مذل المومین کہہ کر خطاب کرنا آپ کے فعل کو باعث تو ہیں ایمان و اہل ایمان نہیں بناسکتا۔ امام حسنؑ کے فعل پر اظہار اضطراب و استتعاب کی کیا وقعت ہو سکتی ہے جب خود

سرور دو جہاں کا فعل باوجود اپنی رسالت تک یاد دلانے کے شکوک میں کمی نہیں  
 کر سکا۔ فعل رسول ﷺ سے اصحاب اس درجہ رنجیدہ اور غیر مطمئن تھے کہ رسالت میں  
 شک کی نوبت آگئی۔ یہ کہنا پڑا کہ اپنی رسول اللہ یہ کہنا پڑا کہ لست اعصیہ  
 یہ کہنا پڑا کہ "من فرستادهُ خدامُ وَبَيْ فَرَمَانَ وَنَمِيْ كَنْمَ وَوَسَے نَاصِرٌ وَعِينٌ مِنْ  
 اسْتَ وَمَرَاضِلُّ نَخَابِدَ گَزَا شَتَّ" (مدارج النبوة جلد دوم ص ۲۱۳ مطبوعہ نول کشودہ  
 پرنس ۱۹۱۶ء) لیکن با ایس ہر اطینان پھر بھی حاصل نہ ہوا۔ جب اصحاب کی مرضی کے  
 بالکل خلاف (اور خدا کی مرضی کے مطابق) صلح مکمل ہو چکی اب جناب رسالت اب  
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ تو کبیے جاتے وہی مقام حدبیسہ پر ہدی (قریانی) ادا  
 کرنے کا حکم دیا۔ فرمایا کہ یہیں سے قربانی کر کے بال منڈوا کے مدینہ والیں چلو اور  
 یہیں مرتبہ پے در پے ہی حکم دیا۔ مگر یاروں کی خواہش تو کچھ اور کہہ رہی تھی، کسی نے  
 کچھ جواب نہ دیا۔ حکم کی تعمیل کوئی کیوں کرتا۔ چنانچہ آپ کو کمال ملا ہوا اور ارام المؤمنین  
 حضرت ام سلمہ سے اپنے اصحاب کی شکایت کی۔ چنانچہ انہوں نے عرض کی کہ پہلے  
 آپ اپنا اونٹ قربان کر دیں اور سرمنڈالیں پھر آپ کو دیکھ کر (غالباً) وہ لوگ  
 ایسا کریں۔ چنانچہ حضرت نے اپنا اونٹ قربان کیا تب جا کے اصحاب نے بھی ایسا  
 ہی کیا۔ لیکن (پھر بھی)، کمال بلوں و محروم تھے اور قریب تھا کہ کثرت غم سے بلاک  
 ہو جائیں یا ایک دوسرے کو مار کر مر جائیں۔ (دیکھو تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۱۱)  
 مطبوع دہلی ۱۹۳۴ء و تاریخ طبری ص ۸۰ جلد سوم طبع مصر) آنحضرت کے عمل  
 کے باوجود پھر بھی سب نے حلقت پر عمل نہ کیا بلکہ تقسیمی کے عامل رہے جیسا کہ

لے سر کا بال منڈانا ۷ ناخن کا ٹانا یا بال کرنا

طری جلد سوم ص ۸۱ سے واضح ہے۔ ایک شیعہ کو غور کرنا چاہیئے کہ حدیبیہ کی صلح پر اعتراض کرنے والوں پر اعتراض کرنا اور امام حسن کی صلح پر اعتراض کرنے والوں کی فہرست میں داخل ہونا بقول شخصی یک بام و دو ہوا کام مصدق ہوتا ہے کہ نہیں۔ اس صلح پر نظر رکھتے ہوئے صلح حسن کو سمجھنے کی کوشش کرو اپنی طرح سمجھیں آجائیں گا۔ ذرا انصاف سے کام لینا چاہیئے۔ سرو رکائیات کے ساتھ ڈیڑھ ہزار یا اس سے بھی کچھ اور اصحاب موجود تھے اور وہ جنہوں نے مرنے کی بیعت، جنگ سے منحصر مولویز کا معاہدہ کیا تھا۔ مگر سالت کی آنکھیں دور بین تھیں۔ لڑنے، مرنے مارنے پر صلح کرنے کو ترجیح دی گئی اور صلح بھی دب کر۔ اس حدیثک کر جو مسلمانوں میں پناہ لے وہ واپس کیا جائے، جو کفار میں پھنس جائے وہ مسلمانوں کو واپس نہ لے، اولاد تو اس سال حج ہی نہ کریں۔ آئندہ آئیں بھی تو تین دن سے زیادہ نہ رہیں اور پھر ہی بھی تو سلاح نہ ہو۔ ایک تلوار مستثنی بھی ہو تو وہ بھی نیام سے باہر نہ رہے۔ کیا امام حسن کی صلح کی کوئی شرط اتنی دبی ہوئی دکھانی جاسکتی ہے؟۔ اب دوسرا طرف امام حسن کی حالت دیکھئے، کچھ تو ایسے منافق تھے جو صرف امام پر نظر ہر تھا بلکہ لوگ ان کو گھلماں گھلماں پہچانتے تھے۔ کچھ ایسے تھے جو نایاں نہ تھے مگر امام بار بار اُن کی تنہیہ اس طرح فرماتے تھے کہ میرے پیشتر میرے پدر بزرگوار کے ساتھ جو بھی سے پہتر تھے تم لوگوں نے جو سلوک کیا ہے وہ ظاہر ہے، اور ان لوگوں کا ذکر قویی کارہی ہے جنہوں نے صرف اتنی سی جھوٹی آواز شنی کہ قیس مارے گئے اور امام پر ٹوٹ پڑے اور آپ کو لوٹ لیا بلکہ جملہ کر دیا جس سے آپ بُری طرح زخمی ہو گئے اور حالات کی تفصیل آگے آتی ہے۔ صلح کو غلط اور جنگ کی رائے دینے

والے شیعہ امام حسن کو ایسے ہی ایمان داروں کو لے کر چہاد کی رائے دیتے ہوں تو یہ اُن کی سمجھ میں آسکتا ہے۔ دانشندی تو صلح ہی میں نظر آتی ہے۔ پھر امام حسینؑ کی طرح لڑکر جان دینے کا مشورہ دیتے وقت اُن بہتر جان خاروں میں سے کسی ایک کی نظیر تو حسنؑ کی فوج میں پیش کرو جنہیں حسینؑ نے مرنے سے قبل ہی یہ سند عطا فرمادی تھی فافی لا اعلم اصحاباً او فی ولا خیرًا من اصحابیٰ۔ پھر دونوں ہزاروں کے لیے ایک حکم کیا انصاف ہے؟۔ ادھر و فاداری منزلت عظمی اور ادھر غداری کی پستی و تمغہ۔ پھر امام حسنؑ کے لیے اصل دین کو زندہ رکھنا اور اُس امانت کو آگے آنے والوں تک پہونچانے کے لیے بجز صلح کیا چارہ ہو سکتا تھا۔

### فواصلح حدیبیہ :

اس صلح کو خداوند عالم نے صلح نہیں بلکہ فتح بین فرمایا ہے چنانچہ سردار عالم اس صلح کو انعام دے کر داپس ہو رہے ہیں تو خدا کو اپنے محبوب کی یہ با محل مصائب مجاز روشن ایسی پسند آئی کہ جریئلؑ کے ہاتھوں انا فتحنا لدھ فتحاً مبیناً کی سند بھجوائی۔ اولاً تو مسلمان آئے دن کی جنگوں اور قریش اور مکہ والوں کی چھیڑ چھاڑ سے پہنچنے نہیں پاتے تھے۔ اب موقع مل گیا کہ اکٹھے دس سال تک کا اطمینان ہو گیا کہ گھر کے بھیدی دشمنوں کے ہملوں کی فکر نہ رہی اور اپنی حفاظت و حرast کے سامان مہیا کر لیں، زندگی کے ساز و سامان کی

لہمیں کسی کے اصحاب کو نہیں جانتا جو میرے اصحاب سے زیادہ بہتر و فادار ہوں۔

طرف توجہ کریں، کچھ احکام الہیہ پا طینان مُنِیکھ سکیں۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ قریش کے لوگ جو کفار کے ڈر سے مسلمان نہ ہوتے تھے وہ مسلمان ہونے لگے۔ اب صلح کے سبب با وجود مکہ میں ہونے کے کوئی انھیں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ علی الاعلان مسلمانوں کی تبلیغ اور اشاعت و تلاوت قرآن ہونے لگی اور دو ہی سال ہوئے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد دو چند سے زیادہ ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ جماز میں حکومت تو قائم نہ ہوئی مگر اتنا ضرور ہو گیا کہ اللہ کا نام اور محمد کا نام کوئی جرم نہ رہا۔ ارکان اسلام کی بجا اوری کھلم کھلا ہونے لگی، ایک شخص دوسرے کو ترغیب اسلام دینے میں آزاد ہو گیا۔ ابن خلدون میں ہے زہری روایت کرتے ہیں کہ جب تک مسلمانوں اور کفار قریش میں نزاع قائم تھی اُس وقت تک کوئی کسی سے مل جل نہ سکتا تھا۔ جب مصالحت ہو گئی اور لڑائی نے اپنے ہاتھ پیچنے لیے لوگوں کو امن مل گیا، ایک دوسرے سے ملنے لگے، نہ کوئی کسی کے اسلام سے متعرض ہوتا تھا اور نہ اسلام کی کوئی بُرا نی گرتا تھا۔ طبری جلد ۳ ص ۱۸ بھی ملاحظہ ہو، یہاں پر ابو بصیر والا واقعہ صلح امام حسن کو اور نہ زیادہ مضبوط بنادیتا ہے۔

رسولؐ اور آپ کے اہل بیتؐ دونوں کی خواہش یہی اور صرف یہی تھی کہ جس اصول و فروع کی تعلیم کے لیے رسولؐ کو بھیجا گیا ہے وہ قائم اور راجح ہوں اور لوگ ان کو سمجھیں، مانیں اور ان پر عمل کریں یہی ان کا مامن تھا۔ یہی اُن کی غرض بعثت تھی۔ یہی اُن کا مطیع نظر تھا، یہی اُن کی زندگی کا حاصل تھا، اسی پر ان کا عمل تھا، اسی پر رجیات تھی، اسی کے لیے موت تھی اللہم احینی حیاۃ

محمد و آل محمد و امتنی ممات محمد و آل محمد۔ اسی مقصد کو پیش نظر کہ کرآن کا اقدام لے اجام تھا۔ ضرورت اور وقت پڑ جائے تو اُن نے مرنے سے بھی نزدیک اور ضرورت نہ ہو تو کسی کا عبشت خون بہنے نہ پائے۔ مقصد تو منشن کی کامیابی ہے۔

صلح حدیبیہ کے ذکورہ بالا فوائد سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اصطلاحی چیخت سے اسلام کی جگہ ایمان کی نظر رکھئے اور گذشتہ ساری عبارت پڑھ جائیے۔ وہ گہری سانش جو رسولؐ کی زندگی ہی میں کی جا چکی تھی اور گاہے پر گاہے دلوں کا بھیدن زبانوں پر آجاتا تھا روز بروز مستحکم ہوتا جاتا تھا۔ سالار بنی ہاشم کی آنکھ بند ہوتے، ہی بنی ہاشم اور اولاد ابوطالبؐ کی نظر میں دنیا اندر ہیر کر دی گئی۔ خواہ کتنی ہی تاویلیں کی جائیں لیکن ایک منصف صاحب علم سے یہ بات پوچیدہ نہیں رہ سکتی کہ جو بنی ہاشم جن دن قبل تک تمام مسلمانوں کے سرستاج تھے آج وہ اتنے دبادیے گئے کہ بقول شبلی صاحب، اُن سے حکومت بزور منوانا چاہا جاتا ہے۔ وہ تمام واقعات جو صحاح احادیث اور تواتر میں ذکور ہیں شاہد عادل ہیں کہ اہل بیت رسولؐ کو کچل ڈالنے کی کیا کیا تدبیریں کی گئیں۔ آج بھی اُن امور کو بیان کیا جانا، بھی گڑے مردے اُنھائیں سے کیا فائدہ، یا تبرًا بازی مناسب نہیں یا آپس کی نزاعی باتوں کو چھیننا بُرا ہے، مسلمانوں میں بچھوٹ ڈالنے کے اسباب ہیا نہ کرو وغیرہ وغیرہ جملے کہہ کر روکا جاتا ہے۔ واقعات سے قطع نظر کرو صرف اس امر، غور کرو کہ بعد رسولؐ امیر المؤمنین، فاطمہ زہرا، حسن، حسینؑ، ام ایمن کی گواہیاں ناقابلِ سماعت

لے پیش تدمی و خاموشی

قرار دی گئیں اور تن تہسا فرد واحد جابر کی گواہی قبول کی گئی۔ ملاحظہ ہو  
بخاری کتاب الکفالہ اور اس پر عینی کے الفاظ۔

اس طرح اہل بیت کو غیر مسموع اللہ بنایا گی۔ اُن کی حیثیت کو گرا ایگی  
اُن کی ہربات قابل اعتراض اور ان کے خلاف ہربات قابل قبول بنائی  
گئی۔ جب رسولؐ کے مرتبے ہی یہ عالم ہو گیا تھا تو آپ کی وفات کے بعد تیس  
سال تک میں کیا کیا گل نہ کھلائے گئے ہوں گے جس طرح اسلام کو صلح بنی سے  
سبھلئے، قوت حاصل کر لئے، الطینان کی سانس لینے اور پھیلنے کا موقع ملا اور اس  
طرح قدم جم سکے کہ پھر متزلزل نہ ہو سکے۔ اسی طرح صلح حسن میں بھی ایمان عینی  
تعلیم رسول مطابق تفسیر اہل بیت کو بھی وہی بات حاصل ہوئی جو اسلام کو۔  
اب امید نہیں کہ کوئی شیعہ اس میں چمکوں کر سکے۔ بس دونوں صلحوں میں جو  
فرق نایاں ہوتا ہے وہ یہ کہ کفار مکنے کم از کم دو ڈھانی سال تک صلح کا  
احترام کیا۔ بخلاف حسن کے مخالفت کے کہ اس نے اسی وقت ہلم کھلا تام  
شرائط کو زیر قدم کھلنے کا اعلان کر دیا اور اسی وقت سے علانیہ بد عہدی پر  
عمل کرنے لگا۔ لیکن معاویہ کی بد عہدی کا جرم امام حسن کی دیانت پر نہیں  
حائد ہو سکتا۔

سرور کائنات کی صلح کے مصالح نہ سمجھنے پر لوگوں کی چہ می گویاں،  
رسولؐ کا کبیدہ خاطر ہونا، اصحاب کاشک، رنجیدگی اور شائی ہونا اس پر  
آنحضرتؐ کا اصحاب کو اپنی نبوت، عصمت، اطاعت خدا، نصرت پر درگار  
کی طرف متوجہ کرنا، اور آخر کار مصالح کا آشکار ہو جانا کسی اور تائید کا

محتاج نہیں۔ امام حسنؑ کی صلح کو پیش نظر کر کر دیکھی جائے تو ذرہ برابر جائے کلام نہیں۔ کلام کرنے والا اُسی فہرست میں رکھا جائے گا جس میں وہاں کلام کرنے والے رکھے جاتے ہیں۔ کفار سے بھی کا صلح کرنے اجنب ناجائز نہیں ہے تو معاویہ سے حسنؑ کی صلح کیونکہ قابل اعتراض ہو سکتی ہے۔

## امیر المؤمنینؑ کی صلح یا واقعہ حکمین

چونکہ یہ حصہ صرف مدعاویہ تشیع کی تسلیکین کے لیے لکھا جا رہا ہے اس لیے مزید اطیبان کے لیے امیر المؤمنینؑ کی صلح کا حال لکھنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے اس طرح ایک دوسری نظر بھی مل جائے گی اور ان اسباب و علل پر بھی کچھ اطلاع ہو جائے گی جنہوں نے امام حسنؑ کو صلح پر مجبور کیا۔ اس صلح کی پشتیگوئی تو رسول خدا ہی نے کر دی تھی۔ چنانچہ صلح معاویہ کے وقت دیسا ہی ہوا۔

اگر رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آله و سلم کے ارشادات اور اہلیت رسولؐ کے حقوق کا خیال مسلمانوں کو ہوتا تو تاریخ اسلام کچھ اور ہی ہوتی۔ قرآن و عترت سے تسلیک کی تایید اور پھر امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ، امام موسیٰ کاظمؑ کے رہنے ہوئے دینی مسائل کا مرکز امام ابوحنیفہ کو بنایا جانا کس منطق کا کام ہے۔ اسی ایک مثال سے دوسرے احکام و حالات پر غور کرنے کا کافی موقع ہے۔

سرود کائناتؓ کی زندگی ہی سے پکے مسلمانوں میں منافقین اس طرح گھس آئے تھے کہ عام نکالا ہوں میں تیز مشتبہ ہو گئی تھی مگر قرآن مجید کے آیات

اور سرور کائنات کے احادیث پر نظر رکھنے والوں کے لیے مومنین اور منافقین کا پرکھ لینا کوئی دشوار کام نہ تھا اور نہ آج ہے۔ کنز العمال وغیرہ میں ہے کہ:  
 ۱۔ "هم لوگ زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں منافقین کو اس طرح پہچانتے تھے کہ یا خدا رسول کی تکذیب کرتے یا نماز ن پڑھتے یا علی بن ابی طالب سے دشمنی کرتے۔

(ص ۵۳ منتخب کنز العمال کتاب الفضائل بر حاشیہ مندن بن خبل ج طبع مصر)  
 ۲۔ "سلمان نے علیؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس خدا کی قسم جس نے دان کو شکافتہ کیا اور صاحبان حیات کو پیدا کیا بے شک بُنی امی نے مجھ سے کہہ دیا ہے کہ نہ دوست رکھے گا مجھے مگر مومن، اور نہ شمنی کرے گا مجھ سے مگر منافق۔ اور تمذکی نے ابو سعید خدراوی سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ پہچانتے رہے منافقین کو اس طرح کہ وہ لوگ علیؑ سے دشمنی کرتے تھے۔" (صوات عن حرقہ ص ۲، حدیث هشتم فضائل علی علیہ السلام و خواص نبأ ص ۱۹، مطبع نجیریہ مصر)

عام علماء کے علاوہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کے نام بھی بتلا دیے ہیں، چنانچہ حدیفہ بن یہاں صحابی کے متعلق مدارج النبوة میں ہے کہ:

"تعییم کردہ بود آنہنتر اور اصفات نفاق و داتائیدہ بود ذوات و اشخاص منافقین و اسائے ایشان را کہ کرام انہی"

اور احیاء العلوم میں ہے کہ "کان یسائل (عمر) حدیفہ ویقول انت

صاحب سر رسول اللہ فی المناقیف فیہ مل تری علی شیعَّا من آثار  
النفاق۔ (حضرت عزیز حذیفہ سے پوچھا کرتے تھے کہ آپ منافقین کے متعلق رسول اللہ  
کے رازدار ہیں بھلا بھی میں آثار نفاق میں سے کچھ پاتے ہیں۔ ۶۰)

بہر حال آنحضرتؐ کے وقت سے ہی مونین اور منافقین خلط ملط ہو گئے  
تھے لیکن سرو دکانات بصالح شرعی کھلم کھلانا ان پر کفار کا حکم جاری نہ فرماتے تھے۔  
ابتدئ کبھی کبھی خود بخود ایسے لوگ نمایاں ہو جاتے تھے اور ایمان و نفاق کھل جاتا  
تھا۔ جنگ احمد کے متعلق ابن خلدون کے مترجم حیکم احمد حسین صاحب الآبادی جلد ہوم  
کے ص ۱۱۸ کے حاشیہ پر رقم طراز ہیں:

”ان داقیقات کے دیکھنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے  
صرہ و تجمل و ثابت قدی اور منافقوں کے لیے یہ لڑائی میک کا حکم رکھتی تھی۔  
الشہر تبارک و تعالیٰ نے سامنہ آتیں سورہ آل عمران کی اس کے حق میں  
نازل فرمائیں جس کی تفصیل کو ایک جُدًا گاہز کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔  
میرے نزدیک لڑائی کا عنوان بدلتے کا اور کوئی ظاہری یا اتفاقی بسب  
اس کے سوا نہ تھا جس کا تذکرہ اور پر ہو چکا ہے۔“

(صحابہ اور ان کا ایمان)

حیکم صاحب کی رائے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ملاحظہ ہو تو قرآن مجید کی آیت  
جس میں بھاگنے والوں کے متعلق تذکرہ ہے:

”اے ایمان دار و ابجیب تم سے کفار سے میدان جنگ میں مقابلہ  
ہو تو در خرد اور اُن کی طرف پیچھے نہ پھینا، اور (یاد رہے کہ) اس شخص کے

سو جو لڑائی کے واسطے کترائے یا جماعت کے پاس (جاکر) موقع پائے  
داور) جو شخص بھی اس دن اُن کفار کی طرف اپنی پیٹھ پھیرے گا وہ نیقینی  
(هر پھر کے) خدا کے غصب میں آگیا اور اس کا ٹھکانہ جہنم، ہی ہے اور  
وہ کیا برا ٹھکانہ ہے۔“

اور مشکوٰۃ شریف میں ہے:

”رسالت ماب نے فرمایا کہ سات چیزوں سے بچتے رہو، جو  
ہلاک کر دینے والی ہیں۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! وہ کیا  
ہیں؟ آپ نے جواب دیا شرکت باللہ، سحر، ناحن نفس مفترم کا قتل،  
سودخواری، مال تیم کھانا، جنگ سے بھاگنا، بے کنہ محضہ مومنہ کو زنا  
کی تہمت دینا۔“ (یہ حدیث متفق علیہ ہے)

(مشکوٰۃ باب الکبار و علامات انفاق فصل اول مطبع مکار محمدی

لائلہ ۱۳۱۲ھ)

اس سے اندازہ ہو گیا کہ جنگ سے بھاگنے کیسا جرم ہے۔ جنگ اُحد میں  
مسلمانوں کا پل بھاری ہو کر پھر پانہ پست گیا۔ بھاگنے والے بھاگے اور جنے  
والے ڈھنے رہے، زخمی ہوئے لڑے بھڑے اور جام شہادت نوش فرمایا۔  
یہ مقام یاد رکھنے کا ہے کہ بقول ابن وردی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آللہ  
 وسلم ایک ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر مدینہ سے باہر نکلے تھے۔

(ابن وردی الح ۱۸ ص ۱۸ مطبع وہبیہ مصر ۲۸۵۵ھ)

اور بقول صاحب جیب السیر: ”ابتداء میں جب پاہ اسلام بھاگی تھی

تو سوائے مرتفعی کے مصطفیٰ کے ساتھ کوئی نہ رہا۔ ایک ساعت کے بعد عاصم بن ثابت اور ابو جاذب اور سہل بن حیثیت اور طلحہ بن عبید اللہ انصھرتوں کی خدمت میں پہنچے۔ بقول بخاری بارہ آدمی یا بقول دیگر موڑھین زیادہ سے زیادہ چوڑاہ آدمی ثابت قدم رہے۔ (دیکھو: تاریخ اسلام) غور کا مقام ہے، خود سرور انبیاء کا ساتھ ہے، لگھ سے کچھ دور نہیں، کوئی خاص نیا یا شدت نہیں، پھر بھی ایک ہزار میل سے صرف بارہ یا چودہ مردمی داں نکلے، باقی سب نے پیٹھ دکھادی۔ اور برداشت حیاة القلوب، آگے چل کر جنگ تبوک کے موقع پر جو آخری غزوہ تھا جب سب شارکیا گیا تو نفلام اور نوکروں کے علاوہ بچیں ہزار لفڑی تھے مگر جب صاحبان ایمان شارکیے گے تو صرف بچیں نکلے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کچھ سملانوں میں کچھ کس تناسب سے شامل تھے اور جب خود حضور کے سامنے یہ عالم تھا تو آپ کی آنکھ بند ہونے کے بعد تو علی الحفصوص اہلبیت کے لیے عالم ہی دیگر گوں ہو گیا تھا۔ جن لوگوں کے بل بستے پر جنگ کی جاتی ہے وہ کل بیعت کرنے والے اور ساتھ نکلنے والے لشکریوں میں لکنے والی اور کتنے دور نگے ہوں گے۔ مختصر یہ کھرے کھوٹے کی پر کہ قائم کر دینے والی یہ جنگ ہوئی اور جو کچھ ہوا اس سے تواریخ اسلام کے ورق سیاہ ہیں۔ جنگ میں پوری پوری شکست ہوئی۔ خود قرآن پاک و اتعات کی سچی شہادت پر آواز بلند دے رہا ہے۔ یہ سب ہو اگر نہ قریب خدا نے ان اصحاب کو اپنی جمیعت سے باہر نکالا۔ ان پر آئندہ کے لیے حکم کفر جاری فرمایا بلکہ خون جگپی کر رہ گئے۔ ایسے مشاہدات کے باوجود جب تک بھی آئندہ موقع ہوا بھی کو دعوت جہاد دی،

اور جو ساتھ ہو لیا چاہے اندر سے جیسا بھی رہا ہو ساتھ لے لیا۔ غالباً اب بالکل واضح ہو گیا ہو گا کہ عبد رسالت سے ہی مدعا انِ اسلام میں اہلیت کے دوست و دشمن، مومن و منافق، کھرے اور کھوٹے، قابل و ثقہ اور ناقابل اعتماد مخلوط تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وَاکَرْ وَسَلَّمَ کا آنکھ بند کرنا تھا کہ آپ کی ذریت پرمصیبت کا سماڑ پھٹ پڑا اور ایسے دردناک مظالم و شدائد کی بارش ہوئی جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عالم قاصر ہے۔ اولًا بھالیت، ثانیاً ناجائز پر دیگنڈے کی شکار دنیا پیتل کو سونا بلکہ راکھ کو کیمیا سمجھنے لکی۔ سازش اور گھری سازش پہلے سے کام کر، ہی رہی تھی تیجہ ظاہر ہے کہ معدن نبوت کے جواہر پاروں کو تاج سربناز کے عوض خاکستر قید و جس میں ڈھانک دیا گیا۔ سرور کائنات کی عترت اور آپ کے کلہ گویوں کی داستانِ عبرت سے پڑھنے والوں کی روح لرز جاتی ہے اور ایک باحیث مسلمان انصاف پسند انسانوں کے سامنے سوائے سر جھکایینے کے اور کوئی چارہ نہیں پاتا۔ خاتم الانبیاء رکا انتقال ہوتا ہے اور آپ کی ذریت کا یہ حال ہوتا ہے کہ کسی کے گلے میں پھندہ کسی کے جسم اقدس پر دُرہ، کسی کو زہر بلاہل اور کسی کو خجرا قاتل، کسی کو قید سلاسل دز بخیر، کسی کو نیزہ و شمشیر۔

غرض بیانِ غمِ اہلیت آسان نیست

رسولؐ کا جنازہ گھر میں پڑا ہے، اہلیت روپیٹ رہے ہیں۔ مگر سقیفہ بنی ساعدہ میں کچھ اور ہی سامان ہو زہا ہے آج اسے جس نام سے پکارا جائے، اس کی جیسی دلفریب تصویر کھینچی جائے مگر اتنا ضرور سمجھا جاتا ہے کہ رسولؐ کی تجہیز تکفین کی اہمیت مسلمانوں کے دل میں کتنی تھی اور آپ کی محبت کا تقاضا کیا تھا، اور

اگر سقیفہ کی کارروائی نہایت ایم اور احسن تھی تو عدم شرکت جنازہ پر عمری قلق زی پر دہ پوشی، ہی کہی جائے گی۔ رسول کے اختفار سے انتقال تک اور انتقال سے تجھیز و تکفین تک کیا ہوا، کیونکہ ہوا، اس دردناک داتان کو یہاں دُھڑانا مقصود نہیں۔ کہنا یہ ہے کہ حضرت علیؑ انا احت بھذدا الامر منکم اور سریع ماکذب تمر علی رسول اللہ (کتاب الامامة والیاست، ج ۱، ص ۱۲ و ۱۳ مطبع ادبیہ مصر ۱۴۳۱ھ) کہتے ہی رہے مگر حق کی آواز ہر طرف سے ٹکڑا دی گئی اور اس طرح علی الاعلان رسول کے "فرمان تک بہ اہل بیت" کی بنیاد اکھیر پھینکی گئی۔ ایک لاکھ سے زیادہ اصحاب موجود تھے، کتنوں نے یہ آواز اٹھائی کہ رسولؐ کے بعد تک کے لیے قرآن و اہلبیت ہیں نہ کہ قرآن و صحابہ؟۔ سعوی نے لکھا ہے لما بوبیع ابو بکر یوم السقیفہ خرج علیؑ فقاں افسدت علينا امورنا ولهم تستر وللمترع لنا حقا فقاں ابو بکر بدلی و لكن خشیت المفتنة يعني جب یوم سقیفہ ابو بکر کی بیعت کی گئی تو علیؑ نے ابو بکر سے جا کر کہا کہ تم نے ہمارے امور کو تباہ کر دیا، ہم کو پوچھتا تک نہیں اور ہمارے حق کی رعایت و نگہداشت مظلماً نہ کی۔ ابو بکر نے کہا کہ یہ سب صحیح ہے مگر میں فتنہ سے ڈر گیا۔ سعوی بر حاشیہ نفع الطیب ج ۱، ص ۲۲۱ (طبع مصر)۔ خود بخاری کتاب المغازی باب غزوہ نیجر ص ۳۹ جلد سوم مطبع میمنہ مصر ۱۴۲۰ھ کی وہ مشہور حدیث جس میں جناب پیدہ علیہ السلام کامیراث طلب کرنا اور زمانا، اس پر آپ کا رنجیدہ ہونا، پھر مرتے دم تک ابو بکر صاحب سے ترک کلام وغیرہ نہ کوہے۔

اُس کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ کنانی فی هذالامر نصیباً فاستبد علینا فوجد نافی انسنا یعنی ہم اس امر خلافت میں اپنا ہی حق جانتے تھے لیکن ہمارے خلاف اس استبداد سے کام لیا گیا جس سے ہمارا جگر کباب ہو گیا۔ ازیں قبیل کیا کچھ نہ کہا۔ مگر وہاں تو بقول امام غزالی حکومت د ریاست فانی حاصل کرنے کے لیے خواہش نفانی غالب آپکی تھی۔ ایسی ریاست عظیمہ کا باقاعدہ آنا اور تمام دیار و امصار میں خلافت کے جھنڈے کا گڑا جانا، علم کے پھر ہروں کا ہوا میں اگذا اور ہوا کے ساتھ بیرقوں کا ہمرا ناد و طرفہ جلوس میں ہوار لو کی ہمراہی، گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں ملکوں اور شہروں کا فتح ہونا۔ ان سب خیالات نے ان لوگوں کو خواہش نفانی کا جام پلا کر مد ہوش کر دیا تھا اور اسی مخنوتوی میں وہ خلیفہ بن گئے۔ (سرالعالمین مقالہ رابعہ ص ۱۷۲) جب رسول ہی کی مجبت اتنی تھی کہ مصطفیٰ را بے کفن بگدا اشتند ق اس جماعت سے علیؑ کی ہمنواں کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

**علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے لکھا ہے :**

”ایں المؤمنین کا قول نیس لی معین المزید تو ایسی بات ہے جسے آپ ہمیشہ ہی کہا کرتے تھے اور یہ موقع آپ کے بعد وفات رسول فرنہ کا ہے۔ آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش مجھے چالیں ارادے کے پکے مل جاتے (تو میں مخالفین کو مزہ چکھا دیتا) اس کو نصر بن مزاحم نے کتاب صفحین میں اور بھی بہت سے صاحبان سیرت نے نقل کیا ہے“ (دیکھو ابطال الباطل جلد اص ۱۷۷، ذیل خطبہ فنظرت فاذالیس لی معین الahlیتی الم

جو لوگ واقعہ سقیفہ کے جواز کی توجیہ میں کرنا چاہتے ہیں وہ جناب امیر کے ہوا خواہوں کی تعداد بڑھانے میں بڑے انہاک سے کام لیتے ہیں۔ لیکن زبانی جمع خرچ اور پھر ہر ہے اور واقعیت اور پھر ہے ہے۔ بلکہ پڑھ لینے والے کو مسلمان ضرور کہا جاتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ پوری جانبازی اور حقیقتی سرفروشی کے منظاہرہ میں بھی ایسوں پر بھروسہ کیا جائے۔ احمد کا ذکر ابھی اس کا شاہد عادل گزرا۔ اسی طرح امیر المؤمنینؑ کی حقیقت کا اگرچہ ظاہری اقرار بھی ہو مگر واقعی تن، من، ذہن سے علیؑ کا ہو جانا جن کے بھروسہ پر کسی جنگلی کارروائی کا خیال ہو سکے ایسوں کی تعداد بقول خود حضرت کے چالیس تک بھی نہ پہنچتی تھی بلکہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے امیر المؤمنینؑ کو ایسے چالیس تو کیا پانچ بھی نہ ملتے تھے، جس کی تصریح علامہ ابن ابی الحدید نے اس طرح کی ہے :

"اور بیان کیا گیا ہے کہ جو کچھ بروز سقیفہ ہوا۔ اس کے بعد جب حضرت علیؑ نے مسلمانوں سے اپنی مدد چاہی جس کی صورت یہ ہوئی کہ رات کے وقت جناب سیدہؓ کو دراز گوش پر سوار کر کے حسینؑ کو آگے لیے ہوئے آپ انصار اور دوسرے لوگوں کے مکافوں پر جاتے اور ان سے مدد و معونت چاہتے اس پر رات کو تو چالیس شخصوں نے وعدہ کیا اور مر جانے کی بیعت کی۔ آپ نے کہا کہ سورے سرمنڈا کر آ جانا اور سلاح ہمراہ لانا۔ جب صبح ہوئی تو سوائے صرف چار کے کوئی بھی نہ آیا۔"

(ملاحظہ ہو ابن ابی الحدید جلد ۳، ص ۵ ذیل لnahضت القوم)

اسی طرح پے در پے تین راتیں گزریں، رات کو وعدے ہوتے اور صبح کو وہی چار

کے چار۔ اور روایت رجال کشی مہاجرین و انصار خلافت آپ کا حق ہونے کا اقرار کرتے، ساتھ ہو کر جان دینے کا وعدہ کرتے مگر صحیح کو صرف تین بزرگ کھائی دیتے۔ صاحبان انصاف غور کریں کہ دل و جان سے اہلیت پر قربان ہونے والوں کی تعداد کیا تھی (اس موقع پر واقعہ بیعت رضوان پیش نظر رکھنا چاہیے، لکنوں نے بیعت کی تھی اور رسول پر واقعی اعتقاد لکنوں کو تھا)، آگے بڑھ کر یہ بھی نہ رہا۔ اگرچہ حکومت ظاہری مل چکی تھی وہ تمام لوگ جو خلیفہ نالث تک کے زمانہ میں خلفاء کی رعایا میں شمار ہوتے تھے یہاں بھی ایسا ہی سمجھا جا رہا تھا بلکہ ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے اپنی مرضی سے بلا جرو اکراہ آپ کی بیعت بھی کر لی تھی مگر حال یہ تھا کہ:

”حضرت علی سے مروی ہے کہ آپ منبر کو فر پر باغیوں سے چار کے لیے لوگوں کو دعوت دیتے تھے تو کسی نے جواب نہ دیا صرف دو آذیوں نے وعدہ کیا۔ آپ نے ٹھنڈی سانس بھر کر ان کے لیے دعا کی اور فرمایا کہ جو میرا رادہ ہے اس میں تم دو سے کیا کام چل سکتا ہے۔“

(کشاث ج ۴ ص ۲۰۹ طبع بولاق مائدہ ۷۵)

مذکورہ بالا واقعات سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ اہلیت رسول کی تدریج اور ان کے حقوق کا احترام بلکہ رسول خدا کا احترام ان مسلمانوں کے دل میں کیا تھا اور ظاہر کیا کرتے تھے۔ کیا اسی بے پرواہی کے عالم میں جنگ مناسب ہوتی ہے خصوصاً جب یہ بھی لمحاظا رہے کہ علیؑ کے ساتھ تو یہ بر تاؤ اور دوسرا طرف یہ رنگ کے مالک ابن فزیرہ غریب کو بالکل بے گناہ قتل کیا جائے، اس کی بیوی سے اُسی روز زنا کی جائے اور کوئی پُرانِ حال نہ ہو (تاریخ اسلام) بلکہ خالد صبا۔

اُٹھی سیف اللہ کا خطاب پائیں۔ سعد بن عبادہ کی جان شام تک میں جا چھپنے کے باوجود نہ نہیں۔ حضرت عمر وہاں آدمی بھیج کر مرد اڑا لیلے غیرہ۔ غرض یہ سلسلہ ہر روز دراز تر ہوتا گیا اور حضرت علیؑ موقع موقع سے جہاں تک دین کی حفاظت ممکن نہیں کرتے رہے اور اپنے حقوق جاتے رہے۔ چنانچہ جب حضرت عثمان کی خلافت مانی گئی اس وقت پھر آپ نے کھلم کھلا یا اپنا حق ظاہر فرمایا:

”پکھ آج پہلا دن تو نہیں کہ تم لوگوں نے ہم پر تغلب کریا۔ اب صبر جیں ہے اور جیسا تم کہتے ہو اس کے برخلاف ہم اللہ ہی سے مدد جائیں گے“

(دیکھو ابو الفدراج ۱ ص ۱۶۶ جمع مصر)

منظر پر کہ اہل بیت کے خلاف مسلسل سازشوں کا سلسلہ منقطع یا کمزور ہونے کے بجائے روز بروز بڑھتا اور مستحکم ہوتا رہا۔ لیکن اہل بیت نے جن کو دین خدا رب سے زیادہ عزیز تھا ایک طرف تو ان خدا مائد و مصائب پر صبر کیا جو مخالفین کی طرف سے ہوتے رہے دوسری طرف آہستہ آہستہ اپنے حقوق کا اثبات اپنے بجزات، اخبار بالغیب، مافوق العادۃ تحمل مظالم، بدیل نشر آیات و احادیث، خلق حسن، غرض اتنے تکمیل علمی و عملی کام نمود رسمی ہونے کے ذریعہ کرتے رہے اور دنیا اس مطعنہ نظر اور مقصد اصلی کی تلقین اور تبلیغ کرتے رہے جو رسولؐ کی غرض بعثت تھی اور جو چکے سے مر جانے اور فنا ہو جانے سے ہرگز پوری نہ ہو سکتی اور بھی

جنگ نہ کر کے مظلوم رہ کے اپنے مخالفوں کو ظالم اور قولًا و فعلًا تعلیم رسول کا مخالف ثابت کر کے صاحبین بصیرت النافٹ کی نظر میں شکست فاش دیتے رہے۔

جب دُنیا نے تعلیمات رسول اور واقعات کو اس طرح چھپایا مثلاً اور پس پشت ڈال دیا تھا کہ علی الاعلان حضرت علیؓ کے برادر رسول ہونے سے انکار کیا جاتا ہے (کتاب الامامة والیاست) اور کسی مدعا اسلام کے کان پر جوں نہیں رہنگتی۔ آیات قرآنیہ کو من مانی با تو سے رد کیا جاتا ہے اور با وجود فاطمہؓ علیؓ حسن و حبیث و ام ایمن کے اتفاق و شہادت کے میراث انبیاء سے انکار کیا جاتا ہے اور جب دل چاہتے ہے کسی کو کچھ دے کر اس کا نام تبرک رکھا جاتا ہے اور کسی مدعا اسلام کے منہ میں زبان نہیں ہوتی جو لوٹکے۔ آیت قرآن کو بلا کسی آیت کے منسوخ فرمایا جاتا ہے اور کسی کاچوں و چراک نایکسا آمتا و صدّ قتنا کر لیا جاتا ہے۔ نافذ نمازیں جماعت کے حرام ہونے کے باوجود اس کی ایجاد ہوتی ہے اور اس کو بدعت حسن کہ کر قابل تسلیم فرض کیا جاتا ہے۔ رسولؐ کے وقت کی اذان میں ترمیم ہوتی ہے اور کوئی کچھ نہیں بولتا یا بول سکتا وغیرہ وغیرہ۔ ان حالات میں اگر امیر المؤمنین جنگ کر کے مر جلتے یا سعد بن عبادہ کا ساجوش ظاہر کرتے آپ کے واسطے بھی قاتل جن تیار کر دیا جاتا۔ تو ز علیؓ رہتے ز حسنؓ ز حسینؓ ہوتے ز باقی ائمہ، اور اس طرح آج تعلیم رسول دنیا سے یک قلم خالی ہو جاتی۔ وہ تمام علوم شریعت زیر خاک ہو جاتے جو مصائب برداشت کر کے تین سال میں امیر المؤمنینؓ نے دنیا تک پھوپھو لے اور جن کا بارع نخلصین کے سینوں میں لگا گئے اور جو رفتہ رفتہ سرسز ہوتا گیا جس کی باخبری علیؓ کی گیارہ پشت تک مسلسل ہوتی رہی اور وہ اہلبیت جن کا نام و نشان مٹانے

کی قسم کھانگی تھی آج ان کی نسل اور ان کے ارشادات سے شرق و مغرب عالم  
نیضیاب ہو رہا ہے۔ (واقعہ کو مثال سے سمجھئے)

ناظرین کے اذہان میں مزید استحکام کے لیے اس موقع پر ایک مثال لکھتی  
جاتی ہے اور انصاف طلب ہوں کہ آیا علیٰ کی زندگی اور زندہ رہ کر دین خدا کی  
حفاظت کے موقع نکالنا اور وقت پر نہ چونکہ دین اسلام کی محبت اور توفیق حق  
و حقیقت اس کی بقا و استحکام کا سبب تھی، یا بنے یار و انصار صرف ان چند  
با اخلاص اہل بیت و انصار کو لے کر میدانِ جنگ میں آنا، لڑ کر جان فی دینا  
اور اپنی قبر میں اپنے ساتھ ان خطاں کو دفن ہو جانے دینا جو سالہ ہے سے لے کر  
تک مختلف عنوان سے ظاہر ہوتے رہے اور اتنی دو تک پھیل گئے  
کہ بعد کا یعنی اران سب کو دبایا فنا نہ کر سکا۔

مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ دو عورتوں نے حضرت عمر کے دربار میں ایک  
ہی لڑکے کے بارے میں دعویٰ کیا۔ ہر ایک کہتی تھی کہ لڑکا اس کا ہے، اور  
ذکر کی تسلیمی تھا زان دونوں کے پاس کوئی گواہ تھا۔ حضرت عمر کی سمجھی میں  
نہ آیا کہ کیا فیصلہ کریں۔ آخر حضرت علیؓ کی طرف رجوع کی۔ آپ نے ان دونوں  
کو بلوکر پہنچے تو بہت سمجھایا جبکہ ایسا، ڈریا دھمکا یا مگر انہوں نے ایک نہ سُنی۔  
آخر جب اُن کا جھگڑا اختتم نہ ہوا تو آپ نے آرہ منگوایا۔ اب تو دونوں عورتیں  
بول اٹھیں کہ کیا کیجھے لگا؟۔ آپ نے فرمایا کہ نہ مانو گی تو پھر اس لڑکے کو دوادھ  
کر کے آدھا آدھا دونوں کو بانٹ دوں گا۔ یہ سُن کر ایک تو چُپ ہو گئی، مگر  
دوسری چینی لگی کہ خدا کا داسطہ اے ابو الحسن! اگر ہی ہونا ہے تو میں اس

بچے کو اس عورت کو دیے دیتی ہوں۔ یہ سننا تھا کہ آپ نے آواز تجھیر بلند کی، اور فرمایا کہ بس لڑکا تیرا ہی ہے اس کا نہیں ہے، کیونکہ اگر اس کا ہوتا تو اکٹھے دیکھ کر، اس کا دل ضرور ترپ جاتا۔ اب دوسری عورت نے بھی مانا کہ بیشک رڑا کا پہلی ہی کا ہے، اُس (دوسری) کا نہیں ہے، پہلی ہی سچ کہتی تھی۔ یوں حضرت عمر کی شکل بھی حل ہوئی، بلکہ اپنی اس مشکل کشانی پر حضرت عمر نے امیر المؤمنین کو دعا میں بھی دیں۔

دیکھئے بمقتضائے نظرت جو ماں نہ تھی اُسے پرواہ بھی نہ ہوئی کہ لڑکا رہتا ہے یا مرتا ہے، مگر جو حقیقتاً ماں تھی بچے کے چیرے جانے کے خیال ہی سے ترپ گئی۔ اس میں شک نہیں کہ اگر بچہ دمکڑے ہو جاتا تو جھوٹی دعوے دار کو بھی کچھ نہ ملتا مگر اس کا کچھ کھو بھی نہ جاتا۔ لیکن اس سے اس پر کی اثر ترپتا تھا۔ بخلاف اس کے ذاتی ماں کو اضطراب ہوا اور اس پر راضی ہو گئی کہ اس کی گود خالی ہی سہی، اور دوں پر ناگوار، ہی سہی بچہ تو سلامت رہے۔ دوسری ہی گود میں رہ کر زندہ تو رہ جائے چاہئے اُس کی تربیت ماں کی سی نہ بھی ہو۔ جب بڑا ہو گا، عقل و ہوش بنھائے گا تو اُسے اور اہل عالم کو خود پر معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس کا فرزند ہے اور اس کی ماں کون ہے اور داداں کون۔ یوں ہی الہبیت کو خیال کچھے جب وہ یہ دیکھتے کہ اسلام کا عین واشرب گم ہوا چاہتا ہے تو اتنے پر صبر و شکر کر لیتے کہ کم از کم نام تو زندہ رہے۔ ہم آہستہ آہستہ اس کی روح بھی دنیا کے سامنے پیش کر لیں گے۔ ابھی زبان سے کھلم ھلاً انکار نہیں ہے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا

زبانی اقرار ہے۔ پھر کوئی نہ کوئی ایسا بھی ہو جائے سماجس کے دل میں بھی اُترہی جائے گا۔ دیکھو خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں مولفۃ القلوب تھے مگر باوجود باطنی کفر کے زکوٰۃ میں سے ان کا بھی ایک حدت جس کا فائدہ یہ تھا کہ کم از کم ان کے اور ان کے ہم شریوں کے شر سے محفوظ تھا۔

قالت الاعراب امنا قل لِمَ تَعْمَلُونَا وَلَكُنْ قَوْلُوا اسْلَمْنَا وَلَعَلَّ يَدْعُوا الْإِيمَانَ فِي قُلُوبِكُمْ۔ اس سے واضح ہے کہ اعراب کے دل میں باور ایمان نہ ہونے کے صرف زبانی اقرار سے ظاہری اسلام کا حکم ان کے۔

جاری تھا، اسی طرح تب اسی رسول آں رسول بھی مصانعہ اور مداراۃ سے کام شدتیں جھیلتے اور دین کو اپنی ملکیت جان کر فنا کے جھونکوں سے محفوظ رکھتے۔ اور جو لوگ دین کے نام پر دنیا حاصل کرتے چونکہ ان کا مطلوب دنیا ہوتی جو تک استھان دنیا میں اظہار دین بین ہوتا اظہار دین کرتے اور جہاں پر دیر کی پابندی سے دنیا چھوٹی نظر آتی وہاں دین کو سراسر پس پشت ڈال دیتے۔ واقعات کی اجمالی تصویر کشی میں بھی اتنا طوں ہو گیا، لیکن غالباً اب کسے

صاحب فہم کو اس میں خلک نہ باقی رہا ہو گا کہ رسول کے بعد اہلبیت رسول کے ساتھ دنیا کا کیا رنگ تھا۔ پھر امام حنفی تک آتے آتے کیا حالات ہو چکے ہوں اور آپ کو کس درجہ مجبوری رہی ہو گی، نہ جائے ماندن نہ پائے رفتگی کی صورت نہ لڑ جانا ہی مفید تھا۔ کیونکہ ناصر و معین ندارد، نہ ایک دم بے تعلقی ملکن تھی و پھر اصلی تعلیم رسول و حقوق اہلبیت کی طرف سے بالکل ہی غفلت ہو جاتی تھی۔ بپر حال ابھی ہم دوسرے واقعات سے بحث نہیں کرنا چاہتے ابھی تو یہ دلکشا

ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کو بھی مجبوری ہوئی تھی کہ صلح کرتے، وہ کیا تھی اور یوں تھی تاکہ اسی پر امام حنفی کی صلح کا قیاس نتیجہ خیز ہو جائے۔

## اضافت کی غلطی عقیدہ کی صورت:

ابو بکر صاحب دُو سال اور چند ماہ کی مختصر سی حکومت کر گئے۔ مگر ایسی جڑ قائم ہو گئی کہ خلافت بنویہ نے حکومت بنویہ کی پوری پوری حیثیت اختیار کر لی، اور جو شخص اس موقع پر غلطی کا شکار ہو گیا اس کو اس پہنچے سے نکلنے اور شوار ہو گیا۔ سرور کائنات کے بعد جتنی حکومتیں ہوئیں سوائے ایک کے ہرگز ان کو اسلامی حکومت نہیں کہا جاسکتا ہاں وہ مسلمانوں کی حکومتیں کہلا سکتی ہیں۔ اس لیے کہ اسلامی توجہ ہوں کہ قوانین اسلامیہ قرآنیہ اور سُنن بنویہ و تنور العمل ہوں پھلا رسول اللہ کی حکومت اور قیصر و کسری کا معیار یہ تو اسلام کی کھلی ہوئی توہین ہے۔ اگر بعد رسول حضرت ابو بکر کو خلیفہ رسول نہ کہا جائے اور صرف مسلمان بادشاہ کہا جائے تو یقیناً شیعہ، سُنی زمانتے بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ مگر صیحت کا دروازہ تو اسے الہی کہہ کر کھو لاجاتا ہے بلکہ اس دن سے آج تک کی تمام خانہ جنگیوں کی بنا اس خلافت کو دینی حکومت اور حکومت الہیہ کہنا ہے۔ اگر اہل سنت اپنی کتاب کی اس روایت کو غور سے پڑھیں تو شاید مشکل دور ہو جائے۔ مذاقبض النبی نظر نافی امرنا فوجدنَا النبی قدقدم ابا بکر فی الصلوٰۃ فرضینا لدنیانا مارضیۃ النبی لدیننا۔ یعنی جب آنحضرت کا انتقال ہوا اور یہم لوگوں نے اپنے بارے میں غور کیا تو یہ دیکھا کہ نبی نے ابو بکر کو نماز میں آگے

کیا ہے، تواب ہم لوگوں نے "اپنی دنیا" کے واسطے اس کو پسند کیا جس کو بنیانے ہمارے دین کے لیے پسند کیا تھا۔

کیوں نہ اس روایت کی روشنی میں حضرت ابو بکر کی حکومت کو دنیا کی حکومت مانیا جائے۔ جانے کو تو یہ حکومت جلد ہی چلی گئی لیکن ماں لک مفتوحہ و مقبوضہ پر کیا اثر پھوٹ گئی اس کا اندازہ لگانے کے لیے ایک نظر بعض حکام اور علاقوں پر بھی ڈالنا ضروری ہے اور خصوصیت سے شام کے حالات مزید احتیاط سے دیکھ جانے کے لائق ہیں۔ خلافت اولیٰ میں خالد بن ولید حاکم شام تھا اور حضرت عمر کے وقت بقول طبری کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ، بصرہ میں ابو موسیٰ اشعری، مصر میں عمرو بن العاص اور بقول ابن خلدون شام میں ابو عبیدہ (عشرہ مشترہ کی نہrst پر نظر ڈالو) اور معاویہ اور اس کا بھائی یزید بن سُفیان، کوفہ میں سعد بن ابی و قاص، طائف میں عثمان بن العاص حضرت ابو بکر ہی کے وقت سے عامل تھے، حفص کا حاکم خلافت ثانیہ میں عمر بن سعد تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان مقامات میں اور ان عمال کے زیر اثر اہلیت کے حقوق کا کیا حال کر دیا ہوگا۔ یہ تو تھا ہی، اس کے بعد عثمان صاحب کا زمانہ آیا تو ایسا اندر ہادھنڈ کا رخانہ اُمیّۃ شاہی چلا کر دشمن دوست سب ہی چلا آئٹھے، آپ کے زمان کے بعض عمال کا نام بھی ملحوظ رہے تو حالات کے سمجھنے میں اور آسانی ہوگی۔ بصرہ میں عبداللہ بن عامر، شام میں معاویہ ابن ابی سُفیان اور پھر معاویہ کی طرف سے حفص میں عبد الرحمن بن خالد، اردن میں ابو الاعوْر سلمی، کوفہ میں ابو موسیٰ، آذربایجان میں اشعت بن قیس کندی، مصر میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔

(معاودیہ کی طرف سے ان حکام کی تعین کا مطلب یہ ہے کہ ان مقامات کے متعلق دربارِ خلافت سے معاودیہ کو حاکم معین کرنے کا اختیار سپر دھا، یہ تو ابتدائی دور تھا، آتے آتے آخری زماں ایسا آیا کہ پیاز چک گیا۔ مثل مشہور ہے جنگ آمد پر جنگ آمد، لوگوں نے دھاوا بول دیا اور خود اصحاب و تابعین کے گروہ نے حضرت عثمان، ہی کا خاتمہ کر دیا۔ چوبیس چھس سال میں اہلیت کے خلاف کیا رنگ گھیلا گیا ہو گا۔ اتنے مختصر لفظوں میں ہرگز ادا نہیں ہو سکتا، جس حکومت کی شیئن میں ایسے پُر نے لگے ہوں جن کے متعلق شبلی صاحب (اپنا مطح نظر ملحوظ رکھتے ہوئے) یہ تحریر فرماتے ہیں:

”یہ عموماً مسلم ہے کہ جو ہر شناسی کی صفت ان میں (حضرت عمرؓ)،

سب سے بڑھ کر تھی۔ اس ذریعے اخنوں نے تمام عرب میں قابل آدمیوں اور ان کی مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کی تھی اور انہی قابلیتوں کے لحاظ سے اُن کو مناسب عمل کے دیے تھے۔

سیاست و انتظام کے فن میں عرب میں چار شخص اپنا نظر نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاودی، عمر بن العاص، میغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ۔

چنانچہ ان سب کو بڑی بڑی خدمتیں سپرد کیں اور درحقیقت ان لوگوں کے براسام و مصروف پر اور کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔“ (الفاروق ج ۲، ص ۱۵۳، ۱۵۴، قومی پرنسیس دہلی ۱۹۰۶ء)

شبلی صاحب نے دھاٹہ کا ترجمہ ”سیاست و انتظام کا فن“ کیا ہے۔ ترجمہ صحیح ہو یا غلط، قابل دریافت صرف یہ ہے کہ ساری ”جو ہر شناسی“ اور ”قابلیت“

کے باوجود یہ تواریخ اور شاد ہو کہ ان قابل ہستیوں میں جو ہر شناس صاحب نے "دین محمدی" کا جزو کتنا پایا تھا، اور تو اور خود جو ہر شناس صاحب نے امیر معاویہ کے لیے کیا فرمایا تھا، امام نبی و شافعی کے اقوال کیا ہیں۔ اس وقت مجھے ان تمام باتوں کی طرف توجہ دلانا نہیں ہے صرف یہ دکھلانا ہے کہ ایسے ایسے "قابل آدمیوں" کی حکومتوں میں الہیت کا کیا حال ہوگا۔ ناظرین ان عوال کے اعمال کو احادیث و اخبار کی روشنی میں ایک دیانت دار مسلمان کی آنکھ سے ملاحظہ فرمائیں۔

شبیلی صاحب نے تو یہ تصریح کر دی ہے کہ "یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؑ سے بھی بزور منوانا چاہا گو بنو ہاشم نے آسانی سے ان کی خلافت تسیلم نہیں کی (الفاروق ج ۱ ص ۵۲) جس سے واضح ہو گیا کہ یہ حکومت کس رنگ سے شروع ہوتی ہے اور الہیت ابتداء ہی میں اس درجہ کردار کر دیے گئے کہ ان سے حکومت بزور منوانے کی خواہش ہوئی اور بقول آپؐ کے مانی بھی گئی تو بآسانی نہیں۔ تو آگے چل کر اس حکومت نے کیا اگل کھلائے ہوں گے۔ نہ صرف اتنا بلکہ بنو ہاشم عہدوں سے محروم رکھے گئے۔ (الفاروق ج ۲ ص ۱۵۲) اور جناب شبیلی آج بھی اس کی تاویلیں کرتے نظر آتے ہیں بلکہ ج ۱ ص ۵۰ الفاروق پر اس حد تک آگئے ہیں کہ بنو ہاشم کی مخالفت کو "سازش" کی لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلام لے شبیلی صاحب کہتے ہیں کہ" بنو ہاشم کو بھی ملکی عہد سے نہیں دیے اور اس میں زیادہ تر یہی مصلحت ملحوظ تھی۔ (الفاروق ج ۲، ص ۱۵۲)

کاشیرازہ بھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہوتیں جو آگے چل کر جناب امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ میں واقع ہوئیں۔ ”افسوس اور تعجب تو اس پر ہے کہ جس خانہ جنگی کو معیوب اور نظرناک قرار دے کر نظیر پیش کی گئی ہے اُس کے باقی وہی جو ہر شناس“ ٹھہرتے ہیں جنہوں نے لیے ”قابلِ آدمی“ کو حاکم شام بنایا اور لطیفیہ کہ باوجود اس بُراٰی کے جس کے ڈر سے بنی ہاشم کو سازشی کاظطاب دیا گیا۔ آج بھی وہ امیر معاویہ واجب الاحترام قرار دیتے جا رہے ہیں۔

یہ توانی کی حالت اس طرح اہلبیت اور ان کا خاندان پھلا گیا اور پھر امکلت لکم دینکم اور من لم يحکم بما انزل اللہ ان حکم بما ازال اللہ وغیره آیات کے حکومت میں قدیم سلطنتوں کے قواعد سننا اور ان کو اسلام میں داخل کر کے سلطنت مخلوطہ کا رواج آل رسولؐ کی حکومت اور ان کی حرفاً پیر وی رسولؐ اور حق دنیا پر سختی سے جھے رہئنے کی عادت کے حق میں کیا درخت لگایا گیا وہ صاجان بصیرت پر روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔

الله الفاروق ج ۲ ص ۱۵۲۔ ”حضرت عمر کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ وہ قدیم سلطنتوں کے اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں اس کو اختیار کرتے تھے۔ خراج، عشرہ، دفتر رسید کاغذات حصہ۔ ان تمام انتظامات میں انہوں نے ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔

حضرت عثمان کا مارا جانا اور مسلمانوں کا اس وقت کا عالی تاریخ داں حضرات سے مخفی نہیں۔ حضرت علیؑ کی بیت کی گئی۔ کیوں اور کس طرح یہ داستان طویل ہے بہر حال بیت کی گئی۔ آپ نے ہر چند لوگوں کو ٹالا آپ کو وحیت رسولؐ اور چھیس سال کے تجربات ظاہر ہیں تو اصطلاح کی بنابر علاوہ خصوصی اور چشم دید حالات یہ بتا رہے تھے کہ ان لوگوں سے دفائی کوئی امید نہیں۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی ذاتی مطیع نظر ہے اگر وہ پورا نہ کیا گیا تو وہ ساتھ نہ دے گا۔

ادھر آپ اپنے علم و یقین کتاب خدا و سنت رسولؐ سے سرموجادز کرنے والے نہ تھے اسی خیال پر ثابت قدم تھے اور اسی کا ارادہ تھا، کسی کی ناخن خواہ کو پورا کرنے والے نہ تھے، آپ کو دھوکا، فریب، عیاری، مکاری سے حکومت دنیا وی قائم کرنا زمینی۔ جس علیؑ نے با وجود اپنی حقیقت پر مکمل اعتناد کے بیعت شیری میں کتاب خدا اور سنت رسولؐ سے ہٹا گوارا نہ کیا، سیرت شیخین کی پیر وی کا زبانی وعدہ پسند نہ کیا اور سلطنت پر لات مار دی، وہ اب جب خود لوگ آرہے تھے کتاب خدا اور سنت رسولؐ سے سرموجادز کا خیال دل میں کیوں کر لاسکتا تھا۔ انتقال رسولؐ کے وقت پچیس سال تک جن لوگوں کو آزادی کی مشق ہو چکی تھی ان پر کیا اعتناد ہو سکتا تھا چنانچہ آپ نے اس کو خوب خوب واضح کر دیا، لیکن اس وقت کی خلقت کچھ ایسی پھنس گئی تھی کہ علیؑ کے سوا اور کہیں پناہ کی جگہ ہی نہ تھی۔

طبری جلدہ ص ۱۵۶ اکی عبارت ذیل اس موقع پر مقابل ملاحظہ ہے :

"محمد و علیؑ کہتے ہیں کہ لوگوں نے کہا کہ اے اہل مدینہ! جو تم پر لازم

ہے اُسے اختیار کرو، ہم لوگ تھیں دو دن کی مہلت دیتے ہیں۔ اب اگر

تم (اپنے فریضہ سے) فارغ الالی نہ حاصل کر سکے تو پھر ہم لوگ علی، طلبی، زبیر اور بہت سے آدمیوں کو قتل کر ڈالیں گے۔ اب لوگ علی پر ہر چار طرف سے ٹوٹ پڑتے اور یہ کہنے لگے کہ ہم لوگ آپ کی بیعت کرنا چاہیتے ہیں آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام پر کیا بلا آپڑی ہے اور ذوق القرآن کے باب میں ہمارا کیسا ابتلاء ہوا ہے۔ اس پر علیؑ نے کہا کہ میرا چھوڑ دو کسی اور کوتلاش کرو۔ معاملہ یہ ہے کہ جو امور ہمارے سامنے ہیں اس میں کتنی باتیں اور کتنے رہنگ ہیں جیسیں قلب برداشت نہ کر سکیں گے اور ان پر عقليں جنم گوارہ نہ کریں گی۔ اس پر ان لوگوں نے آپ کو خدا کی قسمیں دلانا شروع کر دیں اور کہنے لگے کہ کیا جو حالت میں ہم لوگ دیکھ رہے ہیں، کیا جو نعمت برپا ہے اس سے آپ واقع نہیں ہیں، بھلا آپ خدا کا خوف بھی نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے جو جواب دیا ہے وہ اس بہنا پر ہے جسے میں دیکھ رہا ہوں (لیکن) خوب سمجھو کو اگر میں تھاری بات مانوں گا (بیعت پر راضی ہوں گا) تو تم کو ہمارے علم کے مطابق چنانچہ پڑھے گا لہذا اگر تم مجھے چھوڑ دو تو پھر جیسے تم ہو ویسا ایک میں بھی ہوں گا (ہمارے علم کے مطابق چلنے چلانے کا کوئی سوال ہی نہ ہو گا)۔

مختصر یہ کہ ان حالات میں بیعت ہوئی اور ادھر بیعت لٹھ کا پورا ہونا تھا اور

دین نے دیلہ النجاة ص ۸۲ میں لکھا ہے کہ باوجود آنکہ در حضرت علی علیہ السلام رعنی (باقی خاشیہ اگلے صفحہ پر)

ادھر جنگ ہی دگر گوں ہو گی۔ وہی لوگ جو حضرت عثمان کے قتل و کفر کے فتوے کر رہے تھے، عثمان کو مظلوم مقتول کہہ کے آمادہ پیکار ہو گئے۔ لطیفہ تو یہ کہ قاتل کوئی کچھ نہیں کہتا۔ حضرت علیؓ سے خون عثمان کی طلب ہے۔ ہر چند علیؓ نے صنانہ فرمادیا کہ نہ میں نے حکم قتل دیا ز منع کیا۔ مگر وہ تو کسی اور وصی میں تھے بہا۔ نکال کرنا کشین نے بیت قوڑی اور جنگ کی ٹھان کر علیؓ پر چڑھائی گردی۔ اس مزید طریقہ یہ ہوا کہ علیؓ مر تضیییؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلا جو کام کیا۔ وہ کہ عثمان کے گورزوں کو حکم معزولی دے دیا۔ لوگوں نے عموماً اور ابن عباس خصوصاً سمجھایا کہ یہ امر خلاف مصلحت ہے، طلحہ و زبیر کا کوئی اعتبار نہیں اور خاص معادی یہ جو طالبِ جاہ و حکومت ہے اپنی معزولی کا عکم پا کر آپ کا دشمن ہو جا۔ اور یہ لوگ اہل شام اور اہل عراق کے اعتماد کو بگاڑ کے آپ کو قتل عثمان مٹھم کریں گے ذرا اپنی خلافت کو حجم جانے دیجئے۔ بعد میں اس طرح نکال پھینکا۔

## (باقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قدم درسوابن اسلامیہ و فروع اوصاف خلافت خاصہ بودا ما الفقاد و بیت و وجوب القیاد فی حکم الشہر بحسب امتکن نہ شد ہر چند مساوی جیلہ و مشقت ہائے جلیلہ بکار بر دلیکن درخوا در اقطار ارض حکم او نافذ گشت و تامی مسلمین تحت حکم او سریعاً در دند افتراق کلم سلیمان پیروست و ایلات ایشان رخت بعدم کشید مردم بحرب عظیم بد و پیش آمدند و دست امداد ملک کو تاہ ساختند و روز دارہ سلطنت میسا بعد اتحکم منکر شدن گرفت تا آنکہ در آخر بجز کوئی

آل برائے ایشان صافی نماند۔

جس طرح خمیریں سے بال کو نکال پھینکتے ہیں۔ علی مرتفعیؑ نے جواب دیا:

”مصلحت دنیوی تو وہی ہے جو تم کہتے ہو مگر میری نظر عقلی  
مصلحت دین ہے“

اور رعایت دنیا اگر بغیر رعایت دین کے کی جائے تو زدین رہتا ہے نہ دنیا:  
دنیا مطلب تا ہمہ دینت باشد  
دنیا طلبی نہ آں نہ اینت باشد

اور ان گورزوں کی بے اعتذاریوں پر نظر کر کے فرمایا کہ ان گورزوں کی ناخواریا  
حد درجہ کو پہونچ گئی ہیں، میں اُمت رسول پر بڑے لوگوں کو حکمران نہیں رکھ سکتا۔  
بندگان خدا کو ان تکلیفوں سے فرّاجات دلانی چاہیے۔ (روضۃ الاحاب جبیر بن طبری)  
میرفہ کا وہ مشورہ جو قتل عثمان اور بیعت امیر المؤمنینؑ کے بعد پیش کیا گیا  
تحا جس کو استیحاب ج ۱ ص ۲۵۹ پر نقل کیا گیا ہے قابل دید ہے اور اس میں  
معاویہ کے لیے خصوصیت سے امیر المؤمنینؑ کے یہ الفاظ فلا والله لا ارانی  
الله مستعلا له ولا مستعيناً ما دام على حاله (قسم بخدا خدا کبھی نہ دیکھے گا  
کہ میں معاویہ کو عامل بناؤں یا اس سے مدد لوں جب تک وہ اپنے حال پر  
رسہے گا) اور ان اقراریت معمولیہ علی مافی یہ دہ کنت مخد المضليین  
عضداً (جو کچھ معاویہ کے قبضہ میں ہے اگر میں اسی پر اُسے باقی رہنے دوں تو  
میں آیت مخد المضليین عضداً کا مصداق ہو جاؤں گا۔)

لہ ایک علیؑ کا یہ نوٹ اس پرشی صاحب کا ”جوہر شناس“ قابل توجہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ علی بن ابی طالبؑ ان گوزوں کی گورنری ذرا دیر کے لیے بھی برداشت نہ کرتے تھے اور اس کو گناہ اور صریح آیت خدا کی خلاف ورزی جاتی تھے۔ بعض گوزوں کے نام اور پرمذکور ہو چکے ہیں ان کے اعمال و افعال پر نظر کر کے علیؑ تو بڑی چیز تھے۔ کوئی ادنیٰ مسلمان بلکہ کوئی عاقل ایک سکنڈ کے لیے ان سے رضا مند نہ ہو سکتا تھا۔ ابن عباس اور دیگر مشورہ دہندوں کے جواب میں خود امیر المؤمنینؑ نے اپنا مطیع نظر واضح اور خوب صاف صاف بیان کر دیا ہے۔

علیؑ اور اولاد علیؑ کا نظر یہ ہمیشہ یہی رہا اور یہی فرق علیؑ اور غیر علیؑ کی حکومت اور اس کے نظر میں ہے اور اس امر کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اہمیت رسول کی نظر میں وہ حکومت (چاہے کتنی ہی بڑی اور مستحکم ہو) کوئی وقعت نہ رکھتی تھی۔ جس کی بنا استھصال بقا اور ترقیت میں خلاف احکام الہیہ کوئی قانون، کوئی دفعہ یا کوئی عمل کیا جائے۔ مختصر یہ کہ اہم اور مقدم پابندی دین اور اسلام ہے بخلاف مخالفین کے کہ ان کا مقصد اصلی اقدام حکومت اور اس کا استھصال ہے اس مقصد کے لیے چاہے قوانین اسلامیہ کا انکار یا پیش ڈالنا یا خلاف اسلام امور کا ارتکاب (خواہ وقتی ہی طور پر ہو) اختیار کیا جائے اسی اصول کو ہر جگہ محفوظ رکھنا چاہیے، جس کا خلاصہ یہ ہے "مقدم دین" ہے یا "مقدم حکومت" ہے۔ یہ توجہ ہے کہ جب مقدم کے بعد موثر بھی قابل توجہ ہو ورنہ غیر علیؑ کی حکومت میں تو اہمیت یا اقدیمت کا سوال ہی نہ ہوتا تھا۔ مقصد حقیقی حکومت اور صرف اقتدار تھا۔ تواریخ و احادیث میں اس کے شاہد

بکثرت ملتے ہیں۔ اب ایک صاحب انصاف کو یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ جو لوگ اسلام کے نمائندے، مسلمانوں کے حاکم، اسلامی شریعت کے محافظ، اسلامیت کے نہجباں ہونے کے مدعی ہوں ان کے لیے کیا زیبائے اسلامی اصول فرعی کی پابندی و ترویج یا نام اسلامی اور طریقے، قواعد، قوانین، عمل، عالی و ہی کچھ جس کو مٹانے کے لئے اسلام آیا اور جسے ساری عمر سرورِ کائنات قولاً و علاً واضح کرتے رہے۔ امیر المؤمنین نے لوگوں کے شورے پر صاف صفاتِ ماکنت متخذ المضلين عضدا فرمادیا۔ لوگ اسے سیاسی کمزوری کہیں ہمیں اس سے ڈر نہیں معلوم ہوتا۔ کتاب دستت اگر قابل اتباع و تمثیل مانی جائے تو اس کے متبع کے لیے پہی زیبائخا اور ہے کہ مگر ابھی کی بہت افزائی ہرگز نہ کرے۔ وہ بھی کوئی اسلامی حکومت ہوئی جس کے اصول کی قبراؤس کے اساس میں بنائی جائے، جس کے احکام کا جنازہ اُس کے حکام کے ہاتھ نکالا جائے۔ امیر المؤمنین کو صرف رسولؐ کے مشن سے مطلب تھا جو الیومِ الکلیت لکھ سے نکل ہو چکا تھا۔ اس میں کسی اصلاح و ترمیم کی گنجائش یا کوئی کمی باقی نہ تھی نہ ہے۔ صرف نام بدلت کر حکومت قیصر و کسری اور دولتِ سکندر و دارا کی بنیاد ڈالنا مقصود نہ تھی۔ اگر علیؐ کی حکومت بھی خالص دینی نہ ہوتی تو دوسروں کی حکومتوں سے علیؐ کی حکومت کو کیا امتیاز ہوتا کسی کی حکومت میں پچاس قانون اسلام توڑے گئے ہوتے کسی کی حکومت میں دس، کسی میں پانچ قانون اسلام۔ بہر حال خود اپنی حکومت میں لا اورث ناشدرنی اور ناقابل عمل رہتا تو دوسرے اس کی پرورش کیوں کرتے (وہاں دعویٰ اسلام)

سیست اسلامی قانون کی ہمیلت کا دعویٰ اگر جمع ہو سکتا ہو تو پھر کوئی زحمت نہیں، خلاصہ یہ کہ دین و دیانت داری کے خلاف ایک آن کے لیے بھی علیٰ کاراضی نہ ہونا تھا زیر ہوئے، اور اگر اسلام کا طبع نظر اسلام کے نام کی حکومت قائم کرنا ہوتا تو اسی دن اس کا بہت اچھا موقع تھا جب عتبہ بن ربیعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "اے محمد! تم جو مانگو میں دینے کو تیار ہوں، بشرطیکہ تم اپنے ادعائے بازاً اور اگر تم کوئی حسین عورت چلہتے ہو تو میں اس کا انتظام کر دوں، اور اگر دولت اور مال کی طبع ہو تو میں چندہ کر کے اتنا مال دری کر تم قوم میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ۔ اگر بادشاہت کی طبع ہو تو میں تمہیں قوم کا بادشاہ بھی بناسکتا ہوں... الخ۔ لیکن سرورِ عالم اپنے ادعائے بازاً آتے یہ کیوں کر ملکن تھا، آپ کی زبانِ مبارک سے وحی الہی کے یہ الفاظ براہم ہوئے: فان اعرضوا فقل انذر تکم صاعقة مثل صاعقة عاد و ثمود اور عتبہ دم بخود ہو کر رہ گیا۔

کیا رسولؐ کے لیے حکومت اسلامیہ قائم کرنے کا ہمیلت اچھا موقع ہا تھے نہ آگیا تھا، تھوڑی دیر کے لیے سکوت کر کے حکومت جایلیتے مگر حضرت نے اُسے بالکل ٹھکرایا اور اپنے ادعائے بازاً آئے اپنے مش میں لگے رہے جس مقصد کے لیے مسجوت ہوئے تھے اس کی تلقین و ترویج کے سوا آپ کو کوئی چیز دلکش نظر نہ آئی، حکومت کی اہمیت پر جان دینے والوں کے نزدیک رسولؐ کا یہ فضل بھی معاذ اللہ غلط ہی معلوم ہونا چاہیے کیونکہ حکومت کی اہمیت اور اقدیمت تو یہ چاہتی ہے کہ وقت اور موقع تھا اس وقت چُپ ہو جاتے اور لوگوں پر مال و دلت

سلط و اقتدار جایلینے کے بعد پھر دھڑتے سے اسلام کی ترویج و اشاعت فرماتے۔ اس طرح وہ بیکس اور مظلوم شہدا رجھی پیچ جاتے جو ضعف کے بدب مارے گئے۔ حکومت کے بعد کسی میں دم تھا کہ شلاً عمار کے والدین کو اس بے دردی سے قتل کر سکتا۔ مگر سرور دو جہاں نے ایسی حکومت کی طرف ایک آن کے لیے رُخ نہ فرمایا اور نہ ہی جنگ کی۔ ایک اور واقعہ اس طرح ہے جس میں اور تصریح ہے:

”کفار قریش نے مکرًا جناب ابوطالب علیہ السلام کے پاس اُکر دہی درخواست کی جو پیسے کی تھی۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ اپنے بھتیجے کونز روکیں گے تو پھر، ہم سے آپ سے ایسی شدید جنگ ہو گی کہ بالآخر ایک فریق فنا ہو جائے گا۔ یہ ابوطالبؑ پر بہت گراں گذرا اور انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ اے بھتیجے! لوگ ایسا ایسا کہتے ہیں، اس پر آنحضرتؐ کو خیال ہوا کہ (شايد) ابوطالبؑ میری رفاقت سے درست بردار ہونا چاہتے ہیں۔ کہتے لگے کہ چاہا اگر یہ لوگ میرے دامنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیس پر ماہتاب بھی رکھ دیں تب بھی میں اس امرحت سے باز نہیں آنے والا۔“

(ابوالفضل، ج ۱ ص ۱۱۷، طبع حسینہ مصر)

اس سے واضح ہو گیا کہ حضرتؐ کو کیا چیزا ہم اور عزیز تھی۔ آپ کو زمین اور آسمان کی حکومت مقدم نہ معلوم ہوتی تھی (دور نہ اس وقت چُپ ہو جاتے اور حکومت جایلیتے پھر بقول شخص اسلام کی تبلیغ کرتے رہتے۔ جب یہ واضح ہے تو علی بن ابی طالب جن کو اپنے تمام اعمال و افعال میں رسولؐ اور صرف رسولؐ کی پریوری محبوب و مطلوب تھی، حکومت دنیا اور اس کے گراہوں کی ہمت افرانی یا ہمدردی یا اس

پرسکوت کیونکر فرم سکتے تھے۔ یاد کرو اس وقت کو جب جنگ احمد میں لوگ رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ کئے اور اس وقت شدّت غضب سے آنحضرتؐ کی پیشانی مبارک سے پیشہ ٹپک رہا تھا۔ آپ نے حضرت علیؓ کو دیکھا جو آپ کے پہلوے مبارک پر کھڑے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم اپنے بھائیوں کے ساتھ کیوں نہ بھاگ گئے۔ حضرت علیؓ نے عرض کی اُاکفر بعد الایمان ان لی بیک اسوہ (کیا میں ایمان لا کر کا فر ہو جاتا، مجھے تو آپ کی تائی کرنا ہے) دیکھو مدارج النبوة، جلد ۲، ص ۱۲۱، نولکشور پریس ۱۹۱۴ء۔ اب کسی کو اشتباہ نہیں رہ سکتا کہ اہلبیت کے نزدیک صرف ایک بات قابلِ توقیع، قابلِ عمل اور اہمیت کی تھی، یعنی تائی رسولؐ۔ لہذا ان کے اعمال کو دنیاوی معیار پر جانپنا یا انھیں ان دنیاوی چالوں کی رائے رینا جو دنیا در ان محض کا مقصود ہوتی ہے یا ان عیاریوں پر عمل نہ کرنے میں قابلِ عذر اُن سمجھنا الصاف کا خون کرنا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اصلی اور دینی وجہ تو وہی تھی جو امیر المؤمنینؑ نے ارشاد فرمایا۔ لیکن اگر سیاست دنیا کا بھی لحاظ کر کے دیکھا جائے تب بھی جو کچھ علیؓ نے کیا اسی کو عین مصلحت سمجھنا چاہیئے اس لیے کہ وہ حکام وہی تو تھے جن سے عام مسلمانوں کو حد درجہ نظرت تھی جن کے کوتے سے مسلمانوں کے ناک میں دم آگیا تھا، شکایتوں پر شکایتیں کی گئیں۔ مگر جب دریا رخلافت میں کوئی شناوی نہ ہوئی تو بلوہ کی نوبت آئی اور ان اعمال کے حاکم اعلیٰ حضرت عثمان کو قتل کر دیا گیا۔ کیا اسی دلیل کو حاکم باقی رکھنا عقل لا درست کہا جائے گا جس کی نالائقی نے مصریوں کو بلوائی بنادیا۔ کیا اسی مردان کا اقتدار باقی رہنے دینا صحیح سمجھا جاسکتا ہے جس کے تسلط نے

حضرت عثمان کی جان لی وغیرہ۔ اس کے علاوہ اُن حکام میں بعض تو ایسے تھے جن پر اپنی زندگی میں خود دو جہاں کے سردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتصریح مردود و ملعون و کافر ہونے کا حکم لٹکا گئے تھے۔ وید کا واقعہ یاد کرو۔ مصر کے عامل کا قبضہ دیکھو، ابن ابی سرح کے حال پر نظر کرو۔ اس بنا پر زمانہ عثمان کے گورنرزوں کو معزول کرنا میاست ظاہری کے اعتبار سے بھی یہ فوائد رکھتا تھا کہ وہ کل ٹبوائی جو حضرت عثمان کی حکومت اور ان کے عمال کی ولایت سے تنگ تھے چُپ ہو جائیں۔ وہ کل اصحاب خاص جو باقاعدہ پابند اسلام تھے وہ حضرت عثمان کے اس طرز عمل سے جوان اصحاب کے ساتھ روا رکھا گیا تھا ناراض تھے۔ فی الجملہ آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ اور رازا گھری نظر کیجئے جب وہ عمال اس درجہ سے دفا اور نہ کہ حرام تھے کہ حضرت عثمان قتل کر دیجئے گے اور ان لوگوں کے پاس فوج، خزانہ سب کچھ تھا پھر بھی کسی نے اپنے محسن کی مدد نہ کی۔ تو حضرت علیؓ کو ایسے بے دفا اور نہ کہ حرام لوگوں سے کیا امید ہو سکتی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے کہ حسب شہادت تو ارتخ و سیر خلاف حکم خدا اور رسول پھرے اڑانے کے عادی اور مشاق ہو چکے تھے ان کو اسی طرح چھوڑ جاتا تو ان کے طفیان اور سرکشی میں اضافہ ہوتا اور اگر لوگ کا جاتا تو ظاہر ہے ان لوگوں کو کڑوا معلوم ہوتا اور سرکشی و فساد برپا کر دیتے۔ ان میں سے اکثر بلکہ تمام تر دہی لوگ تھے جو کھلم گھلابی ہاشم اور خصوصاً علی بن ابی طالب کے

لئے بیادر ہے کہ حضرت عثمان ۲۹ اور ۳۰ دن کے دریان محاصرہ میں رہے۔ اگر بیڑا دخود و فتن عمال مدد کرنا چاہتے تو بہت دور دور سے اگر مدد کر سکتے تھے۔

دشمن تھے (اگر پابند شریعت ہوتے تو نہ علیؑ کے دشمن ہوتے نہ علیؑ کو ان بے عداوت ہوتی، جس کا ثبوت معزولی کے حکم سے اور اس سے پہلے ان لوگوں کے گردار و گفتار سے ملتا رہا۔ ایسے لوگوں پر آئندہ حکومت میں کیا اعتبار دیا جاسکتا تھا، یہ لوگ بھلا کاہے کو علیؑ کی سُنّتے والے تھے علیحدہ کر دینا ہی صحیح تھا ورنہ ساتھ رہ کر رعایا کو بچاڑھ کر وقت پر دھوکا دے کر نہایت مضرِ ثابت ہوتے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ثابت کرنے کے لیے کہ سب لوگ جان لیں کہ ان لوگوں کو (جن کو حکم معزولی دیا جا رہا ہے) اسلام یا مصالح دینیہ پیش نظر کہ کردارِ اطاعت خلیفہ کے (جو تمہارے خیالات کے مطابق جیسا بھی اجماع ہوا اس کے ذریعہ خلیفہ مانا جا چکا ہے) احکام کی پیروی اور احترام عزیز نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود دنیا اور صرف حکومت ہے کیونکہ اگر ایسا نہ تھا تو اطاعت کا متفقی یہی ہے کہ جیسا حکم ملے ویسا کرو۔ گویا بعقیدہ اہل سنت جو خلفاء راشدین کی اطاعت کو لازم قرار دیتے ہیں ان کے سامنے ایسے منکریں اور متفقین کے ایمان اور اسلام کی حقیقت بھی کھونا تھی کویا ایسے لوگ براتفاق شیعہ و سُنّتی خارج از اسلام و ایمان ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ نظرِ العجائب کے ان احکام میں اور بھی اساب و مصالح ہوں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت علیؑ کو روشن دنیا بھی معلوم تھی۔ چنانچہ آپ نے فرمائی دیا کہ مصلحتِ دنیوی تو وہی ہے جو تم کہتے ہو۔ مگر میری نظر عقلی مصلحتِ دین ہے۔ آپ نے اکثر فرمایا ہے ”لولا الدین والتفقى لکنت ادھی“ راگر دین کی پابندی اور خدا کا خوف نہ ہوتا تو میں دیکھتا کہ مجھ سے زیادہ چالاک کون ہے؟، بہر حال آپ نے برابر سی کی کہ دین میں پھیلے مگر دنیا کو مقدم رکھنے والوں نے دنیا نہیں

بلکہ فتنہ پھیلا یا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خبر دے ہی گئے تھے کہ علیؑ اتحیہ ناکشین، قاسطین اور مارقین سے مقابلہ و مقابلہ کرنا پڑے گا بھلا الحق مرکون علیؑ مع الحق والحق مع علیؑ کے احکام دین داری کو سنتا تھا آپؐ کے خلاف اعلانِ جنگ ہو ہی گیا۔ قبل اس کے کہ علیؑ سرکش گورزوں کی سرکوبی کریں جنگِ جمل آن پڑی۔ حضرت عائشہؓ کی کمان داری میں جانب طلحہ و زبیرؓ کی جماعت نے جنگِ جمل کا رنگِ جادیا۔ جنگ کی ابتداء اس کے واقعات اور اس کا اختتام بیان کرنے کا موقع نہیں ہے، اسلامی تواریخ دیکھئے۔ اتنی بات اس جگہ پر یاد دلادینے کی ہے کہ حضرت عائشہؓ رسولؐ خدا کی بیوی اور حضرت ابو بکرؓ کی بیٹی تھیں، طلحہ و زبیرؓ بنت کے زدیک عشرہ بشرہ میں داخل ہیں۔ طلحہ حضرت ابو بکرؓ کے چچا کے بیٹے اور داماد تھے۔ اُم کلثوم بنت ابی بکرؓ جو حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں طلحہ سے نکاح ہوا تھا۔ ان کی ماں ابوسفیانؓ کی بیٹی معاویہؓ کی بیٹی تھیں۔ زبیرؓ رسولؐ کی بچپنی صفیہ بنت عبد المطلبؓ کے بیٹے تھے، یہ بھی حضرت ابو بکرؓ کے داماد تھے، دیکھو تاریخ اسلام۔ مختصر یہ کہ جنگِ جمل ہوئی اور بقول ابو الفداء طرفین سے دس ہزار جانوں کا نقصان ہوا۔ بعض مورخین نے نقصان کی تعداد بیس ہزار تک لکھی ہے۔ بعضوں نے اکیس بائیس ہزار تک بیان کیا ہے۔ اس جنگ میں علیؑ نے جو شجاعت، اشراف و انسانیت کا مظاہرہ کیا ہے وہ تا قیامت تاریخوں کے اور اقی پر شہرے حروفی میں پڑھے جائیں گے۔ صاحب استیعاب نے رفاعة بن رافع کے حالات کے سلسلہ میں نقل کیا ہے کہ علیؑ نے فرمایا ہے کہ وَاللَّهُ أَنْ طَلَحَةً وَالزَّبَرِ وَعَائِشَةَ لَيَعْلَمُونَ لَهُ الْيَقِنُ اور خوش عقیدتی دیکھئے کہ باوجود اس کے حضرت علیؑ کے خالقین کا زماں تھے جو ٹوڑا گیا ان کو (باقي حاضر لئے) صفحہ پر۔

انی علی الحق و افہم مبطلون (بندگا کو طلحہ وزیر دعائش خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں حق پر ہوں اور وہ لوگ باطل پر) نتیجہ میں علیؑ کو کامیابی ہوتی برحق اور فاتح علیؑ نے شکست خوردہ اور ناحق مفتولین اور اسیران جنگ کے ساتھ جس شرافت کا بڑناو کیا اس کا مقتضی تو غیرت دار ہی سمجھ سکتا ہے۔ لیکن مفتولین اور ان کے دراثہ اور ہمدردوں کے کیارنگ رہے صاحبانِ اتفاقیت اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔ جمل کے ختم ہوتے ہی حاکم شام سے مقابلہ کی ٹھہری۔ رسولؐ کی پیشگوئی کا ایک جزو را کشین سے جنگ کا تام ہوا۔ اب قاسطین کی باری آئی۔ اور معلوم ہو چکا ہے اب تبرہ راست آپؐ خود بھی گورنمنٹر فرماتے ہیں۔ چنانچہ جناب کی طرف سے حرص میں عبدالرحمٰن بن خالد قنسروں میں، جدیب بن مسلمہ فہری اردن میں، ابوالاعور سلمی فلسطین میں، علقہ بن حکیم کنافی، بحری علاقہ (سواحل) پر عبدالشد بن قیس فراہی۔ اب ظاہر ہے کہ ان صوبوں میں اتنی کافی مدت تک موقع پا کر کیا اقتدار اور تسلط حاصل کر لیا ہو گا اور اہلبیتؐ کے خلاف کیا کچھ سامان ہبیانہ ہو چکا ہو گا۔ اہلبیتؐ ظاہرینؑ کے لیے تو رسولؐؑ کی آنکھ بند ہوتے ہی دنیا اندر ہو چکی تھی دوسرے ہی صوبوں میں ان کو کتنا یاد کیا جاتا تھا کہ معاویہ کے حدود حکومت میں ان کا کوئی

## (بیقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

برآ سمجھا گیا، زان کو ناحق کہا جاتا۔ اگر خلافت اولیٰ، ثانیہ، ثالثہ میں علیؑ نے جنگ کی ہوتی تو ان عقیدت مذدوں میں سے کہتے علیؑ کی خلافت مانتے اور خلافت کو باطل پر سمجھتے۔ اب یہ کہنا کہ لانا زرع کمانازع معاویہ کی بانگ کو کیا کہا جائے۔

ذکر خیر کر سکتا۔ ان حدود میں تو یہ عالم کر دیا گیا تھا کہ لوگ معاویہ اور بنی امیہ سے زیادہ کسی کو رسول کا قریبی رشتہ دار جانتے ہی نہ تھے۔ خود شام میں رسول کے قریب زین جگہ پاروں کے متعلق یہ جنگ تھا کہ جسے مسعودی نے نقل کیا ہے :

”ہمارے بعض اہل علم بھائیوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ ابو بکر و عمر و علیؑ و معاویہ کے متعلق بیٹھ کر باس کیا کرتے تھے اور اہل علم کے اقوال بیان کیا کرتے تھے۔ عام لوگ بھی آیا جایا کرتے تھے اور ہماری باسیں منا کرتے تھے۔ آخر ایک دن ان میں سے ایک کہنے لگا جو ان سب میں زیادہ عقل مند بھی تھا اور اس کی دار الحی بھی بڑی تھی (غائب اسن ریسہ ہو گا) کہ جھلا تم لوگ علیؑ و معاویہ اور فلاں فلاں کا ذکر کرتے تک کرتے رہو گے۔ اس پر میں نے پوچھا کہ اس محاصلہ میں تھاری کی رائے ہے، کہا کہ علیؑ کے متعلق کیا کہتے ہو؟ اُس نے کہا وہی علیؑ ناجو فاطمۃؓ کے باپ تھے۔ تب میں نے یہ بھی پوچھا کہ اچھا فاطمۃؓ کون؟ اس نے کہا کہ بنی کی بیوی عائشہؓ کی بیٹی معاویہ کی بہن۔ اب میں نے کہا کہ اچھا علیؑ کے متعلق واقعہ کیا ہے اُس نے کہا کہ وہ جنگ حنین میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شہید ہو گئے“

(مردج الذہب، رحاشیہ نفح الطیب جلد ۲ ص ۲۷ طبع ازہر پھر)  
اس طرح الہبیت سے دنیا کو غافل بنادیا جا چکا تھا، اور پھر طیعن حکومت کا توکہنا ہی کیا ہے۔ ایک واقعہ تفریخ خاطر کے لیے پیش ہے جس سے واضح ہو گا کہ یہ حکومت جسے عقیدتِ مسلمان اسلامی ہی کہے جاتے ہیں اور فیضیلہ

جسے دینی ہی سمجھے جاتے ہیں صرف اپنے آدمیوں کی خاطرداری اور علیٰ کے (فرضی) مانندے والے کے لیے (چونکہ شخص کو ذکانتھا) اسلام اور احکام قرآن من لم یحکم بہما انزل اللہ کی کیسی پابند تھی اور اس کو حق کا پاس کتنا تھا۔

"ایک کوئی اپنے اونٹ پر سوارہ دشمن میں آگیا۔ سب لوگ صفین سے واپس ہو رہے تھے۔ چنانچہ ایک دشمنی لٹک گیا اور کہنے لگا کہ یہ اونٹی تو سیری ہے مجھ سے صفین میں چھین گئی ہے۔ یہ مقدمہ معادیہ کے پاس پہنچا اور گواہی کے لیے دشمنی نے (اکٹھے)، بچا س آدمی لاکھڑے کیے، جنہوں نے گواہی دی کہ بے شک یہ اونٹی اسی دشمنی کی ہے۔ چنانچہ معادیہ نے کوئی کے خلاف (دشمنی کے حق میں) فیصلہ کر دیا۔ اب کوئی بولا کہ خدا تمہیں سوارے (آنکھیں نہیں تو ٹھوٹ کے زکھو) یہ اونٹ (ذر) ہے اونٹی (مادہ) نہیں ہے (جس کی سب گواہی دے رہے ہو) یہ سن کر معادیہ نے کہا یہ حکم قواب نافذ ہو چکا۔ (واقع چاہے کچھ ہدایات دہی رہے گی جو ہم نے کہہ دی۔)

(مردح الذہب بر رحائیہ نفح الطیب ج ۲ ص ۲۵۵ مطبوعہ انہر پرہیز

اسلام کی راستی اور راستازی کی تعلیم ایک طرف اور اسلامی حکومت کے عمال اور ان کی کارتنیاں اس طرح کی دوسری طرف اور عوام اناس کا رنگ یہ کہ باوجود مسلمان ہونے کے ان امور کی طرف توجہ تک ندارد اُن کو روکنا لوگنا یا ان کے خلاف مرضی خدا و رسول ہونے کا اعلان کس کو ضرورت یا کس کی طاقت تھی۔ دین خدا ایک بازی پکڑ اطفال تھا۔ عبادات، معاملات سب میں اپنا استقلال واستبداد نسخ و ترمیم

جاری نوبت بائیجا رسید کہ جمع کی نماز دن دباؤٹے بدھ کو ادا کر دی جاتی ہے۔ جہاں اس قسم کی اندرھا دھنڈہ جلی ہوئی ہو۔ صراطِ مستقیم اور محجوب بیضا پر چلانے والے ہادی ہدایتی علی بن ابی طالب کی کیا چل سکتی تھی۔ رسول خدا خود بھی علیؑ کی اس صفت کا اعلان فرمائچکے تھے اور جناب عمر نے بھی اس صفت کو مانا ہے۔

## علیؑ را ہ حق ہی پر چلانے والے ہیں

”حضرت علیؑ سے مردی ہے کہ آپ نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا کہ آپ کے بعد کون امیر بنایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا کہ اگر ابو بکر کو حاکم بناؤ گے تو انھیں امین اور دنیا میں زاہد اور عاقبت کا خواہاں پاؤ گے اور اگر عمرؓ کو خلیفہ بنایا تو انھیں قوی اور امین پاؤ گے جو انشد کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے۔ اور اگر تم لوگ علیؑ کو حاکم بناؤ گے، مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسا نہیں کرنے والے ہو۔ بہرحال ان کو تم خود ہدایت یافہ اور رسولؐ کی ہدایت کرنے والا پاؤ گے اور وہ تمہیں صراطِ مستقیم ہی کی طرف ھکھپھیں گے۔“

(یہ روایت مشکوہ باب مناقب عشرہ میں بھی موجود ہے)

ایسی روایتوں سے شیعوں پر تو کوئی موجہت نہیں البتہ اہل سنت پر لذوم ہے کہ سرورِ عالم جانتے تھے کہ یہ لوگ علیؑ کو خلیفہ بنانے والے نہیں اور اگر بنائیں تو ہدایت یافہ ہدایت کنندہ پائیں گے۔ یہی صفت حضرت عمر نے بھی علیؑ کے لیے تسلیم کی ہے جب تقول اہلسنت حضرت عمر سے خلیفہ نامزد کرنے کی درخواست کی گئی تو کہا:

”اے علی! اقسام خدا کی پس تم دخلافت کے اہل ہو، مگر (عیب) یہ  
ہے کہ تم خوش مزاج ہو۔ خدا کی قسم اگر تم والی ہو گے تو تم سب کو حق واضح  
پر، ہی چلانا چاہو گے اور شاہراہ مستقیم دوڑانی پر، ہی لوگوں کو چلاو گے“  
(ابن ابی الحدید حجج، ص ۴۲۲ ذیل خطاب شفیقیہ طبع مصر)

اب ظاہر ہے کہ چاہے جو کچھ بھی ہوا یا ہوتا علی کو بھی (پابندی حق) کرنا تھی  
اور بھی کیا دمن لمی حکم بہما انزل اللہ فاوائلک هم الکافروں اور  
دنیا داروں، ہوا پرستوں سے جو ایمید ہو سکتی ہے اس طرف سے وہی ظاہر ہوا،  
کھلم لھلاؤ علی پر سب شتم کی گئی۔ بقول ابن خلدون وغیرہ ذوبت یہاں تک پہنچنی  
کہ علی، بن ابی طالب، ابن عباس، حمّن و حسین اور مالک اشتر (علیہم السلام)، پر  
معاویہ نے لخت کرنا اپنا شیوه قرار دے لیا۔ (ترجمہ ابن خلدون جلد یہاں ۳۸۰)

برسر منبر نماز جمعہ اور خطبتوں میں نماز کے اندر قنوتوں میں ایسے کفر کے کلمات کہے  
گئے۔ یہی سازش کام کر چکی تھی۔ اب کون تھا جو اس امر شنیع کو بُری نگاہ سے  
ویکھتا۔ باñی اسلام کو آنکھ بند کیے ہوئے ابھی تیس سال بھی نہیں گزرے کہ کھلم لھلاؤ  
اُن کی تعلیم، اُن کا خاندان، اُن کی عترت، اُن کے اہلبیت سب کی پوری طرح تذلیل  
ان لوگوں کے کھلم اور حکومت میں ہونے لگی جو اپنے آپ کو دنیا کے سامنے باñی اسلام  
کا پیرو، عزیز اور سچا جانشین ظاہر کر رہے تھے۔ حکومت اسلام میں ایسے سلان حاکم  
ورعایا سے رسول ﷺ کے قدم بر قدم پیرو بلکہ نفس رسول ﷺ کو نصرت و حمایت کی کیا توقع

لئے پھر بھی مدعا ان اسلام ان لوگوں کو سچا اور قابل اطاعت مان رہے ہیں۔

ہو سکتی تھی۔ علیؑ کی مخالفت کا دہنیج بوجا سد منافقوں کے دل میں رسولؐ کی زندگی سے جرم چکا تھا آہست آہست نشوونما پار ہاتھا، سقیفہ کی کارروائی نے اس پر خوب آبیاری کی۔ عداوتِ اہل بیت کا شجرہِ ملعونہ فی القرآن اب کافی مستحکم ہو چکا اگرچہ اس درخت کے پہلے وقت بے وقت پہلے بھی دکھانی دیتے رہے، لیکن صفین کے میدان میں اپنی پوری سرادر پر سر بازار آگئے، ایک روکاذکر کیا ستر رٹا یاں رٹا گئیں۔ ایک طرف ابن آکلاۃ الاکباڈ اور دوسری جانب بنت اسد وابو طالب کا فرزند شیرخدا۔ آخریلہ: الہ بر میں وہ رُن پڑا کہ کشتوں کے پشتے لگئے جناب مالکِ اشترا روحی و ادراج المؤمنین لائفدار نے وہ کار نیایاں کیا جو قیامت تک یادگار رہے اس حملہ کی تاب معاویہ کی فوج کسی طرح نہ لاسکی بھاگنے کی ٹھانی۔ معاویہ کو رٹا گھبراہٹ ہوئی، عمر و عاص میں جو بقول شبلی صاحب کے سیاست قدم پیر کا قابل مجسم تھا کہا کہ کوئی تدبیر کر دنہیں تو اگر تھوڑی دیری میں ہی رٹا گئی رہی تو کہیں ہمارا نشان نہ ملے گا۔ عمر و عاص میں دستیاب ہوئے (پر روایت سعودی پاپخ سوکی تعداد تھی) نیزول پر باندھ کر لٹکوا دیئے اور بہ آواز بلند کہلانا شروع کر دیا۔ "یہ کلام اللہ ہمارے تھمارے درمیان ہے۔" مدعا یہ تھا کہ اس طرح رٹا گئی میں وقفہ اور لڑنے والوں میں اختلاف پڑ جائے۔ اب کیا تھا جادو چل گیا۔ اشعش بن قیس نے جسے پر روایت جیب السیر و روضۃ الصفا معاویہ نے بھاری رقم رشوت میں بیچ دی تھی اور کاش قبیلہ

---

لئے اس کا رشتہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اس کے تابع تھے اور بعض دیگر سردار ان سپاہ نے جو معاویر سے (علیحدہ علیحدہ بھی) رفیقین رشوت میں لے چکے تھے تیراندازی بند کر دی۔ امیر المؤمنینؑ کی فوج میں کہن قسم کے لوگ جمع تھے اس کی نصرت خود پر زبان معاویر سنئے:

"معاویر کا بیان ہے کہ میں نے علیؑ کے خلاف تین باتوں سے کام یا

(۱) وہ ایسے آدمی تھے کہ اکثر اپنا راز ظاہر کر دیتے تھے اور میں اپنا راز چھپائے رہتا تھا (۲) ان کو ایسی فوج می تھی جو حد درج جیش تھی اور ان کی نہایت سخت مخالفت تھی اور میں نے وہ فوج پائی تھی جو نہایت درج طبع تھی اور میرے مخالفت بالکل ن تھی (۳)، جب علیؑ نے اصحاب جمل پر فتح پائی اُس وقت مجھے اس باب میں ذرا شک ن تھا کہ (علیؑ دوں میں سے ایک مصیبت میں ضرور مبتلا ہو گے یا تو) اس کو ان کی فوج کے لوگ ان کی دینی کمزوری خیال کریں گے ریا، اگر جمل والوں کو فتح ہو جاتی پھر علیؑ کی شوکت (فوجی اقتدار) کمزور پڑ جاتی۔ یہ باتیں تو تھیں ہی ان کے علاوہ قریش مجھے علیؑ سے زیادہ اس لیے دوست رکھتے تھے کہ میں اُنہیں مال دیتا تھا اور وہ نہ دیتے تھے تو اب ان سے نفرت و علیحدگی کے کتنے سبب ہو گئے؟"

(استیعاب جلد اصل ۲۴۳، جیدر آباد حرمیم حالت معاویر)

جن لوگوں کو امیر المؤمنینؑ کے انصار اور فوج کی تعداد دیکھ کر شبہ ہوتا ہے وہ ہشیار ہو کر ان باتوں کو پڑھیں۔ اشتہت اور ازیں قبیل لوگوں کے متعلق یہ خیال کرنا کہ امیر المؤمنینؑ کے طرف دار تھے بڑی بھاری غلطی اور تاریخی حقیقت سے حشم پوشی ہے۔ آپ کی فوج میں بھی منافقین کی کثرت تھی جیسا کہ سرورِ عالمؐ کی فوج میں اکثر ہوا کرتی

تھی اور منکر من یرید الدنیا و منکر من یرید الآخرۃ تو قرآن مجید میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آله وسلم کے اصحاب کے لیے بتصریح ہی مذکور ہے۔ بہر حال نیز وہ پر قرآن کا بلند ہونا تھا کہ جنگ ہی دوسرا ہو گی۔ امیر المؤمنین اور آپ کے شکریوں میں جن میں سے اکثر وہی نے معاویہ سے رشتہ لے لی تھی (روضۃ الاحباب جیب السیر) جو گفتگو ہوئی وہ اس درجہ در دنیاک اور تاثف انگریز ہے جس پر ہر صاحب عقل کھنافس ملتا ہے۔ امیر المؤمنین نے ہر چند سمجھایا مگر معاویہ کا دیا ہوا القراءان لوگوں کو عاقبت کی نکر کی طرف کب متوجہ ہونے دیتا تھا۔ ترجمہ ابن خلدون جلد چارم ص ۶۲۳ مطبوعہ الآباد میں اس طرح مرقوم ہے:

”صاحت نیز وہ پر اٹائے گئے لوگوں نے کہنا شروع کر دیا، ہم کتاب اللہ کے فصلہ کو منتظر کرتے ہیں۔ امیر المؤمنین علیؑ نے لکھا رہا، اسے اللہ کے بندو! اپنے حق کے حاصل کرنے کو بڑھا اور دشمنوں سے جنگ کرنے میں تأمل نہ کر دیکھو کہ معاویہ، ابن ابی معیط، جیب، ابن ابی سرخ، ضحاک، زصاحب، دین و قرآن، ہیں زصاحب ایمان ہیں، ہم ان کی حالت سے بخوبی دافت ہیں، ہم ان کے رکپن اور بڑے ہونے کے بعد بھی صحبت میں رہے ہیں۔ رکپن میں وہ نہایت شریر لوگوں میں سے تھا اور سن شعور پر پھوپھو کر بھی بے حد شریر آدمیوں سے ہوا۔ افسوس تم لوگوں کی سمجھیں نہیں آتا کہ ان لوگوں نے قرآن شریف کو برآہ مکروہ فریب اٹھایا ہے، لوگوں نے

لئے تم سے وہ بھی ہیں جو دنیا کے دل دادہ اور وہ بھی جو آخرت کے خواہاں ہیں۔

کہا ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم کتاب اللہ کی طرف بُلائے جائیں اور اس کو منتظر نہ کریں۔ امیر المؤمنین علیؑ نے ارشاد کیا ہم ان لوگوں سے اسی لیڑتے ہیں کہ کتاب اللہ پر عمل کریں کیونکہ انھوں نے اُس کو پس پشت ڈال دیا ہے سعین فذک تیبی اور زید بن حصین الطائیؑ میں ان لوگوں کے بعد کو خارج ہو گئے تھے بولے، اے علیؑ! کتابِ خدا کو قبول و منتظر کرو ورنہ ہم تم کو چھوڑ دیں گے اور تمہارے ساتھ وہی برتابہ کریں گے جوابِ عفان کے ساتھ کیا تھا۔ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا، اگر تم میرے مطیع ہو تو برابر لڑتے رہو اور اگر باعثی ہوا چاہتے ہو تو جو تمہاری سمجھیں آئے وہ کرو۔

ابن خلدون کے علاوہ روضۃ الصفا، جیب السیر، تاریخ ابن واضح وغیرہ نے بھی بجز بعض لفظی اختلاف کے باتفاق یہی لکھا ہے۔ اس موقع پر ابو الحذارجؓ ص، اکی عبارت کثیر الفوائد ہونے کے بسب قابل غور و ملاحظہ ہے:

”سعود تیبی اور زید بن حصین الطائیؑ نے اس جماعت سیست جو بعد میں خارج ہو گئے علیؑ سے کہا کہ دعوت دی جا رہی ہے تو تم کتابِ خدا کو مان لو ورنہ ہم تم کو مکمل دشمن کے حوالہ کر دیں گے اور تمہارے ساتھ وہی سلوک کریں گے جوابِ عفان کے ساتھ کیا ہے۔ اس پر علیؑ نے کہا کہ اگر تم ہماری ملت نہ ہو تو لڑتے جاؤ، اور اگر نہیں ملتے تو پھر جو چاہو کرو جو سمجھیں آئے بناؤ۔ ان لوگوں نے کہا کہ اشر کے پاس کسی کو بھیجیے کرو وہ لوٹ آئیں اس پر حضرت علیؑ نے ان کو بلانے کے لیے کسی کو بھیجا۔ (وہ پہنچا اشر کو کہاں یقین آئے والا تھا کہ علیؑ نے ایسے موقع پر روکا ہو گا) اس پر

اشتر نے کہا یہ موقع نہیں کہ تم جسگے سے مجھے ہٹاؤ۔ یہ سن کر ایچی واپس آیا اور علیٰ سے واقعہ بیان کر دیا، اس پر شور و غوغاء ہو گیا۔ اور اشتر کی طرف سے غبار بلند ہوا۔ ان لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ہماری کھجڑیں تو یہی آتا ہے کہ آپ نے لڑنے ہی کا حکم دیا ہے۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تھارے سامنے ہی تو بھیجا ہے بھلام نے مجھے دیکھا کہ اشتر کے پاس کچھ چیکے سے کہہ کے بھیجا ہے جو کچھ میں نے کہا کیا وہ سب تم سن نہیں رہے تھے (کوئی کاہنے کو علیؓ کی کچھ منتنا کسی بات کے جواب بغیر پھر سب نے کہا کہ اشتر کے پاس بھیجئے کہ واپس آ جائیں ورنہ ہم آپ کو معزول کر دیں گے۔ اب ایچی پھر اشتر کے پاس آیا اور ان سے ساری حقیقت بیان کر دی۔ تب اشتر نے کہا کہ میں جان گیا قسم خدا کی قرآن کا اٹھانا اخلاف پیدا کر دے گا۔ یقیناً یہ سورہ فرزند زانیہ کا ہے (ختصر یہ کر) اب اشتر علیؓ کے پاس واپس آگئے۔ (جو لوگ دہاں جمع تھے کس نے کیا کہا تھا اس کی خبر تو مالک کو تھی نہیں سب کو اپنا ہی کچھ لیتھے تھے) آتے ہی ہٹنے لگے کہ تم لوگوں کو دھوکا دیا گیا اور تم لوگوں نے دھوکا کھایا حالانکہ (مالک کو کیا پتہ کر) دہاں پر جو لوگ جمع تھے ان میں اکثریت انھیں لوگوں کی تھی جنہوں نے خود ہی لڑائی سے روکا تھا۔ اور جب لڑائی رُک گئی تو معاویہ سے انھیں لوگوں نے پوچھا کہ قرآن کیوں بلند کیا ہے اس نے کہا کہ اس لیے کہ ایک حکم تم لوگ معین کرو ایک ہم مقرر کرتے ہیں اور ان سے عہد لیا جائے کہ وہ کتاب خدا پر عمل

کریں۔ (اُسی کے مطابق فیصلہ کریں) پھر ہم لوگ ان کے متفقہ فیصلہ کی پیر دی کریں۔ فریقین نے اُسے تسليم کر لیا (بنتے ہوئے تو تھے ہی کیوں نہ تسليم کرتے اور اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ فوراً ہی) اشاعت بن قیس جو خوارج کا سردار تھا بول اٹھا کہ ہم تو ابو موسیٰ اشعری کے حکم ہونے پر راضی ہیں۔ اس پر علیؑ نے کہا کہ دیکھو پہلی بات میں تم لوگ میری مخالفت کر چکے اب مجھی میری مخالفت نہ کرو میری رائے نہیں ہے کہ ابو موسیٰ کو حکم بنا دو۔ لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ ہم ابو موسیٰ کے سوا کسی پر راضی نہیں۔ اس پر علیؑ نے واضح طور سے کہا کہ ابو موسیٰ قابل اعتبار اُدمی نہیں ہے۔ ابن عباس ابو موسیٰ سے بہتر ہیں اس پر لوگوں نے کہا کہ وہ تو آپ کے چڑا زاد بھائی ہیں اور ہم ایسا اُدمی چاہتے ہیں جو تمہارے اور معادیہ کے لیے برابر ہو۔ اب علیؑ نے کہا تو پھر اشترا ان لوگوں نے اس کا بھی انکار کیا اور یہ کہا کہ وہی تو اس جنگ کے بھڑکانے والے ہیں۔ اب علیؑ بالکل مجبور ہو گئے کہ ان لوگوں ہی کی بات مانیں چنانچہ اس مطلب کے لیے ابو موسیٰ کو فوج سے الگ کیا اور معادیہ نے عمرو عاص بن واٹل کو الگ کیا اور عکین علیؑ کے پاس آگر ان کے سامنے اس طرح صلح نامہ لکھنے لگے۔ بسم اللہ الرحمن الرحيم یہ وہ صلح نامہ ہے جو امیر المؤمنین علیؑ نے لکھوا یا ہے وہ بول اٹھا کر علیؑ تمہارے امیر ہوں گے، ہمارے امیر تو ہیں نہیں۔ اس پر احلف نے کہا امیر المؤمنین کا نام تو ہم نہیں مٹائیں گے۔ اس پر اشاعت بن

قیس بولا کر یہ نام مٹادو۔ آخر علیؑ کو ماننا پڑا اور آپ نے اس کو مٹایا۔ اور فرمایا کہ اللہ اکبر اُسی سُنت کے مطابق ہوا۔ خدا کی قسم میں حمد بیہیہ کے دن رسول اللہ کا کتاب تھا اور "محمد رسول اللہ" لکھا تھا، تو ان لوگوں نے کہا تھا کہ آپ رسول خدا نہیں ہیں لہذا اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھئے۔ رسول نے مجھ سے اس کے مٹانے کو کہا تو میں نے عرض کی کہ میری مجال نہیں کر ایسا کر سکوں۔ آپ نے فرمایا اچھا مجھے دکھاؤ میں نے وہ جگہ دکھائی آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کو مٹادیا اور مجھ سے فرمایا کہ تم کو بھی ایسا ہی پیش آنے والا ہے اور پھر تم بھی ایسا ہی کر دے گے۔ اس پر عمر و عاص نے کہا کہ سبحان اللہ تم ہم کو کافروں سے تثیریتیہ ہو۔ اس پر علیؑ نے کہا کہ کیوں زانی کرنے کے تو کب فاسقین کا دوست اور مومنین کا دشمن نہ تھا۔ اس پر عمر و عاص نے کہا کہ واللہ آج کے بعد ہم اور تم کبھی ایک جگہ اکٹھے نہ ہوں گے۔ تو علیؑ نے فرمایا کہ بشک میں بھی امید کرتا ہوں کہ خدا میری مجلس کو تجوہ سے اور تجوہ ایسوں سے پاک رکھے گا، اس کے بعد صلح نامہ لکھا گیا۔

(ابوالغفار، ج ۱ ص ۷، طبع مصر)

اس موقع پر صاحب تاریخ اسلام نے بعض عیاںی مورخین کی رائے نقل کی ہے جو نقل کی جاتی ہے اور غور سے پڑھنے اور توجہ کے قابل ہے، (تاریخ اسلام ص ۵۰۵، باب بنجم طبع دہلی)۔

گہن لکھتا ہے کہ امیر شام بھاگنے کا تہیہ کر رہا تھا لیکن یہ یقینی فتح فوج

کے جوش اور نافرمانی کی بدولت علیؑ کے ہاتھ سے چھین لی گئی۔ علیؑ مجبور ہوئے کہ اُس پر تو ہیں صلح اور عیار ان صلح کو منظور کر دیں، وہ رنج اور حقارت آئیں غصہ سے کوڑا پس آئے۔ ایرونگ کہتا ہے اشتراخیں یعنی شامیوں کو دباتا ہوا خیموں کے قریب یہی جارہا تھا کہ شامیوں نے نیزوں پر قرآن بلند کر دیے۔ علیؑ کے پاہیوں نے تلواریں پھینک دیں، علیؑ نے اُن سے کہا کہ فریب ہے اور اڑائی پر آمادہ کیا، لیکن انہوں نے انکار کیا۔ اشتراخ کو بلا یا گیا۔ جس وقت اس کے خبر سے خون پیک رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ اُسے شاندار فتح سے دھوکا دے کر روکا گیا۔ جو رجی زیدان تدّنِ اسلام میں لکھتے ہیں کہ قریب تھا کہ علیؑ کے طرف دارِ معادیہ کے لشکر کو رومند ڈالیں۔ عمرو عاص نے ایک ایسا جملہ پیش کیا جس کے بعد سے خلافت اہل بیتؑ کے ہاتھ سے نکل گئی اور بنی امیہ نے من مانی مراد پائی، جملہ یہ تھا کہ جب معادیہ کی فوج شکست کھانے کے قریب ہو گئی تو عمرو عاص نے حکم دیا کہ قرآن شریف نیزوں پر بلند کر کے صلح کی استدعا کی جائے۔ خانچہ نیز دل پر قرآن شریف دیکھ کر حضرت علیؑ کی فوج کے لوگ دھوکا کھائے اور خود حضرت علیؑ سے التوازنگ کے لیے اصرار کرنے لگ گئے ناچار حضرت علیؑ کو جنگ ملتوي کرنا پڑی۔ اب جائے غور ہے کہ علیؑ کی فوج میں کس قسم کے لوگ آگھے تھے۔ اشعش بن قیس سے معادیہ نے ایک لاکھ درہم کا وعدہ بھی کر لیا تھا، اور بقول اعثم کوفی فالبد بن عمرؓ کو امیر خراسان بنانے کا (نقل از تاریخ اسلام)، اشعش خود قتل امیر المؤمنینؓ میں شرپک (قبل ظہور خارج ہی اس کارنگ یہ تھا کہ

اکبر المخوارج کہا جا چکا، اس کے دو بیٹے قتل امام حین میں شریک، اس کی بیٹی امام حسن کی بیوی بن کر اپنے شوہر فرزند رسولؐ کی قاتل۔ اصل یہ ہے کہ علیؐ کی فوج میں پچھ تو صاحب ایمان تھے اور زیادہ جا سوس، رشوت خوار دوست نمادشمن، بات یہ تھی کہ تعلیم اسلام کے خلاف اور اہلبیت رسولؐ کے خلاف جو اس قائم کی گئی تھی اس پر یکے بعد دیگرے غارت بلند ہوتی جا رہی تھی۔ خود غرضی، تو انہیں اسلام سے بے نیازی پابندی شریعت سے آزادی، اہلبیت رسولؐ سے مجتہت کے عوض ان سے غفلت، اجنبیت بلکہ عدالت و نفرت کی دبا پھیلتی چلی جا رہی تھی صرف محمد و دانساوں کے سوا جنہیں اصول و فرائیں میں خدا و رسولؐ سے واقعی دلچسپی تھی عوام صرف نام بدلت کر اپنے قدیم عقائد و اعمال کے دلدادہ ہوتے ہوئے دائرہ اسلام میں آگئے تھے اور جب حضرت علیؐ کی عام بیعت ہوئی تو تھرالگذشتہ سلطنت کی ریاست حضرت علیؐ کی ریاست اور گورنریا قاضی یا فوجی حضرت علیؐ کے گورنر، قاضی اور فوجی کہلانے لگے۔ اب جو مخالفت کھل گئے اُن کا اُسی وقت پتہ چل گیا اور بعضوں نے چالاکی سے موقع کا انتظار کیا اور عدالت کا اعلان کھلم کھلانے کر دیا۔ علام ابن الحدید نے اپنی شرح جلد اول ص ۱۱۶ پر بسلسلہ حالاتِ بسر جو لکھا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان ظاہری بیعت کرنے والوں کا (جن کی تعداد کتنی ہی پچھ ہو) رنگ باطنًا کیا تھا۔

”ایک قوم صنوار میں تھی جو عثمان کی پیرو و طرف دار تھی اور ان کے قتل کو بڑی اہمیت دیتی تھی۔ لیکن ان لوگوں کا کوئی سردار تھا ان کا باقاعدہ کوئی نظام تھا۔ لہذا ان لوگوں نے جو دل میں تھا اُسے دل میں رکھا اور حضرت علیؐ کی بیعت کر لی۔“

اس قسم کی فوج یا رعیت پر کیا بھروسہ ہو سکتا تھا اور نہ اگر کہیں اعتباری آدمی ملتے تو دنیا دیکھتی کہ علیٰ واد لاد کی کر سکتی ہے۔ خود امیر المؤمنین نے فرمایا، ولیکن لا رای لمن لا بیطاع<sup>لہ</sup> اس کے علاوہ مختلف اوقات میں آپ نے جو تنائیں کی ہیں اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کون لوگوں سے سابقہ پڑا تھا۔ وہ وقت نہیں بھولا یا جاسکتا کہ جب آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کے علاقوں پر معاویہ کے آدمی قبضہ کرنے لگے ہیں اور آپ نے اپنے نام نہاد طرف داروں کو ابھارا اور وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے تو اس وقت بہت تنگ دل ہو کر کیا کچھ نہ فرمایا۔ آخر فرمایا کہ:

”کاشش! تم سب کے بدے ہیں بن فراس بن غنم کے ایک ہزار

سو ارب مل جاتے“ (ذیح البلاعہ خطبہ ماہی الا الکوفہ)

لیکن چالیس ہزار بیعت کرنے والوں کے شمار میں ایک ہزار صاحبان اعتبار نہ لکھے۔ مختصر پر کہ اہلبیت کو ایسے ہی ناقابلِ وثوق مدعاویں اسلام و ایمان سے سابقہ پڑا تھا، ان پر نہ تو بھروسہ ہی کیا جاسکتا تھا اور نہ (تباسی رسول)، ان کو منافق کہہ کر قتل یا فوج سے باہر نکالا جاسکتا ہے۔

سید الشہداء علیہ السلام کی غیر ممکن التوصیف اور عظیم الشان قربانی پر نظر کر کے ناہمیوں کی زبان پر بھی بھی جاری ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص یا امام بھی امام حسین کی طرح رط کے مرکیوں نہ گیا۔ کامنًا ما کامن لیکن یہ لوگ واقعات اور حالات سے یا تو قطعاً ناواقف ہوتے ہیں یا واقعات سے دانتہ پشم پوشی کرتے ہیں۔ سیار کھنا چاہیہ۔

---

لہ جس کی اطاعت نہ کی جائے اس کی بات کیا۔

کہ تاج کا اندازہ کیے بغیر کسی اہم اقدام کا ارتکاب کوتاہ بینی ہے۔ حکمت و اخلاق کا متفق پنی عقل و دیانت کا فیصلہ یہی ہے کہ ٹھیک ٹھیک وضع الشی فی عملہ پر عمل ہو۔ ٹھیک اور تہوار میں ایسا ز ضروری ہے۔ حلم اور جن میں فرق کرنا لازم ہے۔ آپ رسول اللہ کی فطری اور معدوم النظیر انش مندی و حزم تہوار ایا مجنونانہ حرکت سے کہیں ارفع والی تھی۔ اُن کا مطیع نظر صرف دین محمدی کا پھیلانا تھا اور اس کی دامی بقا و استحکام کے سامان ہیتا کرنا تھے۔ اس لیے جس نے جب اور جو اقدام کیا۔ برابر یہی (تر و تج دین و تعلیم محمدی) ملحوظ رکھا اور اس نقطے سے ہرگز تجاوز نہ کیا خود سرور کائنات اور امیر المؤمنین کے مذکورہ بالا حالات سے کچھ اندازہ ہو گیا ہو گا۔ انشا اللہ الرائعہ معلوم ہو گا کہ امام حسین علیہ السلام کے لیے جو علل و اسباب جان دید یعنی کے تھے وہ امیر المؤمنین، امام حسن اور خود رسول اللہ کو حاصل نہ تھے، اور ان حضرات کے لیے جان نہ دے کر صبر و تحمل سے کام لینے کے ہو وجہ تھے وہ امام حسین کے وقت میں مفقود تھے۔

امیر المؤمنین کو چار و ناچار بادل ناخواستہ خون جگرپی کر صلح کرنا ہی پڑی۔ اگر ان روحانی اذیتوں پر نظر کی جائے جن کی بلکی سی تصور کشی امیر المؤمنین نے اپنے بعض کلام میں کی ہے تو معلوم ہو گا کہ اگر حسین نے جان دے کر دنیا کو خوجہت بنادیا ہے تو اصول (یعنی دین محمدی کی پابندی اور تر و تج کے لیے علیؑ نے بھی صبر کے موقعوں پر وہ کرد کھایا ہے جو حسین ہی کے باپ کا کام ہو سکتا ہے۔ معمول انسانوں کا تو ذکر ہی کیا دریگ انبياء (رسولؐ خاتم الانبياء) مل کر بھی ایسا نہ کر سکتے خطبہ شقشقیہ کے فقرات فصیرت و فی العین قدی و فی الحلق شجی، اری متراثی

نہیا وغیرہ کس امر کی دلیل ہیں۔ معاویہ کے فرستادہ بُسر بن ابی ارطاة کے مظالم کی خبر پر جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے اُس کا ایک ٹکڑا ابھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ اسی خطبہ کے یہ فقرات کیسے جگہ سوڑ ہیں :

”خدا یا! میں ان لوگوں سے تنگ آگیا ہوں اور خود مجھ سے تنگ ہیں انھوں نے مجھے ماجز کر رکھا ہے اور خود مجھ سے خفا ہیں۔“

”خدا یا! ان کے بد لے مجھے اپھے لوگ دے اور میرے عوض“

انھیں ایسا آدمی دے جو ان لوگوں سے میری بُربست بُرا بتاؤ کرے۔“

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی طرف داری کا دعویٰ کرنے والوں (بیعت کرنے والوں، رعیت یا پاہی کھلانے والوں) میں کس قسم اور کس تعداد کے لوگ تھے۔ علامہ ابن ابی الحدید نے اس خطبہ کے متعلق لکھا ہے کہ پختہ آپ کے او اخر خطبہ میں ہے۔ آپ نے یہ خطبہ اُس وقت فرمایا ہے جب صفين کی جنگ ختم اور حکمین کا معاملہ ہو چکا تھا۔ (شرح شیع البلاعہ ج ۱ ص۔ ۱۱۵) ناظران نوٹ کر لیں چند ہی دنوں بعد انھیں لوگوں سے امام حسنؑ کو سابقہ پڑے گا۔ پھر غور کرنا چاہیے کہ ایسوں کو لے کر جنگ کرنے والا کیا پہل پاس کتا ہے۔ امیر المؤمنینؑ کے شکایات کی کوئی حد نہیں۔ چنانچہ ایک دوسرے خطبہ میں فرمایا ہے: منیت بمن لا یطیع اذا امرت ولا یحیب اذا دعوت یعنی مجھے ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے جنھیں حکم دیتا ہوں تو مانتے نہیں، جب بلا تا ہوں تو جواب تک نہیں

اے اس حال میں میں نے صبر کیا کہ انکھیں کھلکھل اور حق میں اچھو تھا ابی شٹی میراث دیکھ رہا تھا۔

وَلِيَتَهُ (بِالْكُلِّ نَهِيْسَ سَنَتَهُ)۔ اس کی تفصیل شرح نبیع البلاعہ ابن ابی الحدید جلد ا  
ص ۲۱۲ میں دیکھئے :

”جب تمہیں دشمن کے مقابلہ کو گریوں کے موسم میں کہتا ہوں تو  
کہتے ہو کہ شدت کی گرمی ہے ذرا مُہھر جائیے کہ گرمی گزر جائے۔ اور جب  
سردیوں میں کہتا ہوں تو کہتے ہو کہ چلنے کا جاڑا ہے ذرا دم لیجئے کہ سردی  
جائے۔ سردی گرمی سے بچنے کے یہ سب بہانے ہیں“

(ملاحظہ ہو تفصیل شرح نبیع البلاعہ ج ۱ ص ۳۰، خطبہ اما بعد  
فان الجہاد... الخ) (اس کے علاوہ اسی شرح نبیع البلاعہ کی  
ج ۲ ص ۳۸ و ج ۲ ص ۷۴ وغیرہ دیکھئے تو انداز ہو کہ علیؑ کی فوج کس  
تماش کی تھی)۔

الغرض جن در دن اک الفاظ میں امیر المؤمنین نے ان منافقین کی ایذا رسانی  
کی شکایت کی ہے ان سے دل تھرا اٹھتا ہے اور صاحب بصیرت کا جگرخون ہو جاتا  
ہے ان پر صبر اور ایسے لوگوں کے ساتھ گزارہ کرنا علیؑ ہی کا جگر تھا اس وقت  
جب حکمین فیصلہ کرنے چلے تھے، دونوں طرف سے چار چار سو آدمی اپنے نرائندے  
کے ساتھ تھے اس وقت کی حالت ابن خلدون (ترجمہ) جلد ۴ ص ۵۶ دیکھئے  
کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں کہ عمر و عاص کے ہمراہی، ہمراہیان ابن عباس سے اس  
درجہ زیادہ مطیع اور فرمائ بردار تھے کہ جب کبھی معادی کا کوئی خط آتا تھا الامر و عاص

لہ معادی کا قول اور گذر ایعنی علیؑ کے قول کی تقدیق دشمن نے مجھی کی۔

سے اس کے مضاہین کو دریافت تک نہ کرتے تھے، لیکن اہل عراق ابن عباس سے امیر المؤمنین علیؑ کے خطوط کے مضاہین کو پوچھتے تھے اور ان کو اخبار مضاہین کے ساتھ شتم بھی کرتے تھے۔ اس موقع پر اُن آیات اور روایات کو پیش نظر رکھنا چاہیے جو زمانہ رسولؐ کے مدعاوں اسلام منافقین کے متعلق ہیں۔ جن سے اندازہ ہو گا کہ سچے ایمان داروں میں دغا باز مار آتیں کا خلط ملٹ صرف علیؑ کے شکریوں کی خصوصیت نہ تھی بلکہ خود رسولؐ کا نتیجہ کے اصحاب میں بھی یہی حال تھا بس فرق یہ تھا کہ رسولؐ کے مقابلہ میں الگ اگسی کی ایسی گھلٹ گھلٹ افراد ای کی جاتی جیسی علیؑ کے زمانہ میں ہوئی تو ایسے لوگ کافر کہلاتے اور اُوں لا تو جو منافقت کا فائدہ تھا یعنی مل کر نقصان پہنچانا وہ اُن کو حاصل نہ ہوتا، شانیاً جان سے نجات ہے۔ مگر علیؑ کے مخالفوں کا ساتھ دینے والے کبھی تو خلیفہ کے طفدار کہلاتے مسلمان ہے، بھی اُتم المؤمنین کے ساتھی کہلاتے مسلمان ہے کبھی خال المؤمنین کے طفدار کہلاتا کہ مسلمان ہے، کبھی زیادتی تعداد سے اجماع کے پابند ہو کر مسلمان ہے اور اگر کچھ نہ ہوا تو سب سے بڑا عدہ حریب خطاۓ اجتہادی کے قلعہ میں محفوظ ہو کر مسلمان ہے اس لیے علیؑ کو رسولؐ کی تاسی کے علاوہ اس ذاتی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

علامہ ابن ابی الحدید اپنی شرح رنج البلاعہ جلد ا ص ۹۹ پر لکھتے ہیں :

”امیر المؤمنینؑ کے زمانہ میں اشعت بن محمد منافقین کے ایک تھا۔ شخص

امیر المؤمنینؑ کے اصحاب میں اُسی طرح تھا جس طرح عبد اللہ بن ابی بن سلوی

اصحابِ رسولؐ عدا اصلی اشش علیہ وآلہ وسلم میں تھا۔ (اشعت بن سلوی) دونوں

اپنے زمانہ کے سرداروں منافقین میں تھے ॥

امیر المؤمنینؑ اور معاویہ کے درمیان جو صلح نامہ لکھا گیا ہے اس کے متعلق علامہ

ابن ابی الحدید کی عبارت ذیل اپنی خاصی بصیرت افروز ہے :

"جب حضرت علیؓ نے اپنے اور معاویہ واہل شام کے درمیان صلح نامہ لکھنے کا ارادہ کیا تو کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ معاویہ اور اہل شام کے متعلق یہ اقرار کرتے ہیں کہ وہ لوگ موسمن مسلمان ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں نہیں مانتا کہ معاویہ اور اہل شام موسمن مسلمان ہیں معاویہ کو اختیار ہے جو چاہے جیسے چاہے لکھئے اور اپنے اصحاب کے لیے جو چاہے مانے اور اپنا اور اپنے اصحاب کا جونام چاہے رکھ لے اس کے بعد لوگوں نے اس طرح معاویہ نامہ لکھا یہ وہ حکم نامہ ہے جو علیؓ اور معاویہ کے درمیان ہوا ہے۔ علیؓ نے اہل عراق اور موسینین و مسلمین کی طرف سے جوان کے تابع ہیں یہ طے کیا ہے اور معاویہ نے اہل شام اور ان موسینین و مسلمین کی طرف سے جو اس کے ہوا خواہ ہیں یہ طے کیا ہے کہ ہم لوگ حکم خدا اور کتابِ خدا کے پابند ہوں گے کتاب خدا ہی، ہم دونوں کے درمیان جامع قرار پائے گی اور ہمارے لیے اذابتدا تا انتہا کتابِ خدا ہی معمول رہے گی (چنانچہ) ہم اسی کو زندہ رکھیں گے جس کو کتابِ خدا زندہ رکھنے کو کہے گی اور جس کو قرآن مانئے کو کہے گا اسی کو ہم بھی مردہ بنائیں گے۔ اگر ایسی بات حکمیں کو کتابِ خدا میں مل جائے تو اس کی پابندی کریں گے، اور اگر نہ ملے تو پھر ایسی حکمیں نہست جس میں اختلاف نہ ہو (اس کی پیروی کریں)۔"

دونوں حکم عبد اللہ بن قیس اور عمر بن العاص ہیں۔ ان دونوں

نے علیٰ و معاویہ اور دونوں کی فوجوں سے کل بات کا وعدہ لے لیا ہے کہ ان کی حیات و مال اور ان کے اہل محفوظ رہیں گے اور امت ان کی مدد کرے گی۔ یہ دونوں حکم کتاب و سنت کے موافق جو فیصلہ جس کے لیے کریں گے اس پر عمل کرنے کا خدا سے ہمدرد طرفین کے سب مومنین مسلمین اور ہر شخص کی طرف سے ہو چکا ہے اور جب تک فیصلہ نہ ہواں وقت تک کے لیے طرفین سے امن قائم رکھنے اور صلح جوئی اور سلام استعمال نہ کرنے پر اتفاق کر لیا گیا ہے اور دونوں حکموں پر خدا کی طرف کا عہد لے لیا گیا ہے کہ امت میں جو فیصلہ کریں گے وہ حق کا فیصلہ ہو گا خواہش نفاذی کی پیروی میں فیصلہ نہ ہو گا۔ اسی عارضی صلح کی مدت پورا ایک سال ہے۔ اب اگر حکمین چاہیں تو جلدی بھی فیصلہ کرنے کا ان کو اختیار ہے۔ اگر ان دونوں کا کوئی وفات پا جائے تو اس کو وہ کے امیر کو یہ حق ہو گا کہ اس کی جگہ کسی اور ایسے شخص کو منتخب کر لے جو حق و عدل کے خلاف نہ کرے، اور اگر دونوں امیروں میں سے کوئی وفات پا جائے تو اس کے معین کرنے کا بھی اس کے اصحاب ہی کو حق ہے کہ جس کی حکومت کو وہ لوگ پسند کریں اور جس کے طریقے کو مدد و سمجھیں مقرر کر لیں۔ خدا یا! جو اس صلح نامہ کے خلاف کے یا اس میں بے دینی اور ظلم کا ارادہ کرے اس کے خلاف ہم تیری مدد کے خواستگار ہیں۔“

باوجود یہ امیر المومنین علیہ السلام نے ازاں تا آخر فوج کی بے وفائی اور

غذاری و مکاری سے اعلان بیزاری کر دیا تھا اور کل خطرات کی تشریح کر دی تھی، اپنے بھی جہاں تک آپ کا بس چلا ہے اس عارضی صلح نامہ میں ایسے شرائط رکھوادیے کہ اگر ان کی کچھ بھی پابندی کی جاتی تو معاویہ کو کسی طرح کامیابی ممکن نہ تھی اور جو اصل مقصد تھا اسی نے کتاب و متن کی ترویج لوگوں سے اس کا اقرار لینا اور اس کا پابند کرنا اور کتاب و متن، ہی کے پابند کو مدد و حمایت کرنے والے کو مذموم ثابت کرنا اور ان آوازوں کو عالم تک عموماً اور اہل شام و معاویہ شاہیوں تک خصوصاً پہونچا دینا، اُس کی پوری تبلیغ بھی ہو جاتی۔ لیکن جیسا کہ علی بن ابی طالبؑ نے بارہا علی الاعلان کہہ دیا تھا کہ معاویہ اور اس کے ہوانخواہ نہ اہل دین ہیں نہ اہل قرآنؐ اس قدر سخت اور بخشنده واضح غیربِهم عہد نامہ کی بالکل اعلانیہ مخالفت کی تھی۔ (یہ دوسری بات ہے کہ آج تک عقیدت مندمدعیان اسلام معاویہ کو حق رہی پرستی کی جائیں لیکن ساری دنیا تو انہی نہیں ہے) عمر و عاص اپنی چال چلا، اور ابو موسیٰ سے جمیں شروع ہی سے علیؑ کی مخالفت تھی باسانی اس کے ہمنوا ہو گئے اور قرآن و حدیث کی لکھی ہوئی حقیقت کا وارغ جس طرح معاویہ اور عمر و عاص کے پائے نام رہ گیا۔ ابو موسیٰ بھی قیامت تک اپنی پیشانی سے اس داع نہ چھڑا سکے۔ عمر و عاص اور ابو موسیٰ کی صلح کے وقت کی گفتگو تمام مورخین نے قریب قریب ایک سی لکھی ہے۔ ہم علامہ ابن ابی الحدید کی عبارت نقل کرتے ہیں:

”نصر نے بیان کیا ہے کہ ابو حباب کلبی کی روایت ہے کہ جب عمر و ابوبوسی مقام دوستہ الجندل پر سلطے تو عرب نے گفتگو میں ابو موسیٰ کو قدم کرنا شروع کر دیا اور یہ کہنے والا کہ آپ نے مجھ سے پہلے صحبت رسول کا شرف پایا ہے مجھ سے

من میں بھی بزرگ ہیں۔ لہذا پہلے آپ فرمائیے میں بعد میں بلوں گا اور آپس کی لفتگوں میں عروضے ہی قاعدہ اور عادت مقرر کریں۔ مگر اس میں مکروہ فریبی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ صرف یہ مقصود تھا کہ ابو موسیٰ کو دھوکا دے کر پہلے بلوادے اور اس طرح وہ علیٰ کے معزول کرنے کا پہلے اعلان کر دے اس کے بعد پھر جو اپنی رائے ہے وہ تو ہے، می۔ اور کتاب صفحین میں ابن دیزیل نے لکھا ہے کہ عمر نے ابو موسیٰ کو صدر مجلس میں جگہ دی اور اس سے پہلے کوئی لفتگو نہ کرتا تھا اور نماز جاعت میں بھی اسی کو آگے کیا، کھانے میں بھی اسی کو تقدیر کر کا جبت کہ وہ نہ کھالے خود نہ کھاتا تھا، اور جب بھی ابو موسیٰ سے کلام کرنا تو اس کے لیے نہایت تعظیم کے آداب والاقاب استعمال کرتا اور یوں کہتا کہ اے رسول اللہ کے صحابی۔ المرض یہ حد ہموئی کہ ابو موسیٰ کو اطیبان ہو گیا اور یہ گان کریا کہ عمر و ان کو دھوکا نہ دے گا۔ نصر راوی ہے کہ جب دونوں کے درمیان "ہانڈی میں خوب ایاں آچکا" تو عمر نے کہا کیوں ابو موسیٰ آپ کی کیا رائے ہے؟ (دل میں علیٰ کی مخالفت تھی، میں اس پر عمر و عاصی کی تعظیم میں سے پھوٹے نہ ساتے تھے) فرمائے گے کہ بندہ کی رائے تو یہ ہے کہ (علی علی اللہ) د معادیہ، ان دونوں کو معزول کر کے سلانوں کی کیٹی پر پھر چھوڑ دیا جائے وہ لوگ جس کو چاہیں منتخب کر لیں۔ عمر و فرزاں بول اٹھا خدا کی قسم رائے تو بس یہ ہے جو آپ نے تجویز فرمائی ہے۔"

(شرح نجح البلاغہ ابن القیدی ج ۱، ص ۱۹۸)

اوپر جو صلح نامہ بیان کیا گیا ہے علامہ ابن القیدی نے اس کے علاوہ اور بھی

روایتیں نقل کی ہیں۔ چنانچہ ایک میں یہ فقرے بھی ہیں :

” حکیم حکم کتاب اللہ سے ہرگز تجاوز نہ کریں گے اور اگر ان دونوں نے کتاب خدا کی بات زمانی قوامت اسلامیہ ان سے بیزار ہوگی اور ان کے عہد کا کوئی اعتبار نہ ہو گا اور کسی قسم کی ذمہ داری نہ رہے گی ”

لیکن با ایں ہمہ عمر و عاص نے جو چال اختیار کی وہ از سرتا پا خلاف حکم کتاب سنت رہی صاف صاف فریب، دھوکا اور مکر سے کام یا مسلمان تو مسلمان کوئی باقل و شرافت انسان اس کو بجز نفرت و حقارت اور کسی طرح نہیں دیکھ سکتا۔ ابو موسیٰ کو آخر آخر تک سمجھایا جا رہا تھا کہ فریب نہ کھائیں (مگر جب ارادہ بھی تو ہو، وہاں تو دل کسی اور ہی طرف تھا۔ ظاہر ہے کہ اشعت نے بے سکھے بوجھے تو ابو موسیٰ پر زور نہیں دیا تھا، جب فیصلہ ٹنلے کا وقت قریب آ رہا تھا اور ابو موسیٰ نے کہا تھا کہ ” ہم دونوں کی رائیں ایک ایسے امر پر تافق ہو گئی ہیں جس میں امید ہے کہ امت کی بھلائی اور صلاح ہوگی۔ عمر و عاص نے بھی اس کی تصدیق کی اور کہا کہ ٹھیک کہتے ہو۔ اے ابو موسیٰ آگے بڑھو اور جو طے ہے کہہ دو، جوں ہی ابو موسیٰ آگے ہوئے ”

” اے بن عباس ابو موسیٰ کے نزدیک چلے گئے اور فرمایا کہ اگر عمر و عاص نے تم پر یہ ظاہر کیا ہے کہ اس کو تھاری رائے سے اتفاق ہے تو واللہ میں خیال کرتا ہوں کہ اس نے تم کو دھوکہ دیا ہے۔ اس لیے مناب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے عمر و عاص ہی کو تقریر کرنے کا موقع دو ورنہ پھر تاریخی ابو موسیٰ نے اس بات پر کچھ اعتماد نہ کی اور کھڑے ہو کر بعد حمد و شکر الہی کہا کہ ایہا الناس ! میری اور عمر و عاص کی رائے متفق ہو چکی ہے کہ علی اور

معاویہ دوفوں علیحدہ کر دیے جائیں اور مسلمانوں کا گروہ غور کرنے کے بعد جس کو چاہے اپنا خلیفہ مقرر کر لے۔ لہذا میں نے علیٰ و معاویہ دوفوں کو معزول کیا اب تم لوگ اپنے آیندہ امور کی طرف متوجہ ہو کر جس کو اس امر کا اہل سمجھو مقرر کر لو۔ یہ کہہ کر پتھر ہٹھے اور عمر و عاص اُس جگہ گھڑا ہوا۔ خدا کی حمد و شکر ظاہر کر کے یہ کہا کہ جو کچھ اُس شخص نے کہا وہ آپ لوگوں نے سن لیا اور اس شخص نے اپنے والی کو معزول کر دیا۔ تو جس طرح اُس شخص نے معزول کر دیا میں بھی اس کے والی کو تو معزول کرتا ہوں لیکن اپنے والی کو ثابت کرتا ہوں یہ

(الى الفداديج اص ٢٨، مطبع حسنيه مصر)

صحابیت کی اندھا دھنڈ تغییر ہی نے اسلام کو پارہ کر دیا ہے اور ایمان کا غیر مشروط احترام جو بر بنائے بلندی ایمان و عمل صالح قرآن اور سورہ عالمؐ کے فرمان میں بکثرت واجب قرار دیا گیا ہے پس پشت ڈالنے کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ کاش صحابیت کے ہڑپونگ میں ایمان و عمل صالح کی پرکھ بھی ملحوظ کر لی گئی ہوتی، اور ہمیشہ نہیں تو گاہے گا ہے تو ”ایمان و عمل صالح“ کو قابلِ اتفاق سمجھا جاتا۔ لیکن ایمان و عمل کی کسوٹی اور صحابیت کا اسن پروف (Sun Proof) و و تضادِ حقیقتیں کیوں کر ملحوظ ہو سکتی تھیں۔ مختصر یہ کہ ابو موسیٰ جن کا علیؐ سے اخراج مسلم ہے۔ (دیکھو اسیجا۔ جلد ۲ ص ۸۷) کتاب الکتبی حرفت اللام والمیم طبع جید ر آباد) کیونکہ ان کو بھی تو علیؐ نے حکومت (کے لفڑات) سے معزول کیا تھا۔ ان صحابی صاحب کی دیانت کا حال تاریخ نماہارا ۱۷، اشتر ج ۹ ص ۵ کے اس عبارت سے بھی جلتا ہے:

تاریخ کامل ابن اثیرج مصہد کی اس عبارت سے بھی چلتا ہے:  
”ابو موسیٰ اشرمی معاویہ کے پاس ہنس اسود (ایک قسم کی کالی

ٹپی جو حکومت کے لوگ پہنچتے ہیں، پہن کر آئے اور (معاویہ کو اس طرح سلام کیا) "السلام علیک یا امین اللہ" یعنی اسے ایں خدا تم پر سلام ہو۔ معاویہ نے علیک السلام تو کہا مگرجب ابو موسیٰ پڑھ لگئے تو کہا کہ یہ بھا حکومت یعنی آیا تھا۔ خدا کی قسم میں اس کو کہیں کا بھی والی نہ بناؤں گا۔"

اظریں پر واضح ہو گیا ہو گا کہ حضرت علیؑ اس درجہ مجبور ہو گئے تھے اگر صلح نہ کرتے تو کیا کرتے۔ یہ بھی واضح ہے کہ امیر المؤمنینؑ کے اس عمل سے اسلام کو فائدہ ہی پہونچا، اگر آپ صلح نہ کر لیتے تو جیسا کہ ان رشوت خوار منافقین نے تصریح کر دی تھی آپ کو آپ کی فوج قتل کر ڈالتی۔ جس فوج میں اشاعت جیسے سردار ہوں، جس فوج کی طرف سے ابو موسیٰ جیسے لوگ حکم بنائے جائیں۔ جس فوج کا حال وہ ہو جس کی تصریح اور پامیر المؤمنینؑ کی زبان سے ہو چکی، جس کی حالت خود معاویہ کی زبانی لکھی جا چکی۔ جس کی کارتا نیاں تاریخ میں آج بھی باوجود اختلاف برکثرت موجود ہیں اس فوج پر بھروسہ کر کے جنگ جاری رکھنا یا جنگ کر کے اپنے ہاتھوں اپنا اور اپنے مخلصین کا خون کرنا کب زیبا ہو سکتا ہے۔ اس موقع پر مقتضاۓ دانشمندی یہی تھا کہ اپنے آپ نیز معدودے چند اصحاب خاص کو زندہ رکھ کر ان اصول اور احکام کو زندہ رکھا جائے جو انہی چند نفوس کے ساتھ وابستہ تھے اور معاویہ اور اس کے ہم زنگ جماعت کے ایمان و اعمال کو دنیا کے

اہ قرآن، حدیث، عقل سب کی اس طرح کھلم کھلامی القست کے باوجود معاویہ کے طرفدار مدعايان اسلام معاویہ سے علیحدہ یا علیؑ کے طرفدار نہ تھے، بلکہ آج تک معاویہ کو سر لہے جاتے ہیں۔ انھیں لوگوں سے امام حسن کا ایندہ ساقہ ہے تو واللہ ہے۔ کیا عقل اجازت دیتی ہے کہ حسن بھی لٹکر آزمودہ را آموزدہ پر عمل کر کے متعدد اصلی کو فنا کر دیں۔

سامنے الم نشرح کر دیا جائے اور خاص کروہ مدعاں پاگباڑی مسلمان جنہوں نے صفات  
کے پر وہ میں اسلام کشی کا بیڑا اٹھا رکھا تھا ان کے پر وہ کو چاک کر دیا جائے اور واقعہ  
میں ایسی نوعیت پیدا کر دی جائے کہ علیٰ اور ان کے مخلص پیر و وُل کی دین داری  
اور معادیہ اور اس کے ہم نواؤں کی مخالفت چھپلے نہ چھپ سکے۔ لوگ سمجھیں کہ  
ان دولت نے والوں میں دین اسلام، حکم قرآن اور سنت خبر لانا ممکن اور  
نگہبان خود پابند اور دوسروں سے اسی کی تمنا کرنے والا اور حکومتِ الہیہ کا  
حقدار کون ہے اور اس کے مخالف کون۔ چنانچہ مذکورہ مالاطر یقینوں سے گو معادیہ  
کی حکومت ان حدود میں جنم گئی جہاں برسوں قبل سے قائم کی گئی تھی۔ لیکن معادیہ  
کے حالات ایسے طشت از بام ہوئے کہ مسلمان تو مسلمان غیر مسلمان بھی وہ کچھ لکھ کر  
جو ایک غیرت دار مسلمان کے لیے عبرت کاتا زیانت ہے۔ ابو قیس ازدی کی روایت  
استیعاب پہ ہے کہ میں نے لوگوں کو تین قسم کا پایا۔ ایک اہل دین جو حضرت علیؓ کو  
دوست رکھتے ہیں، دوسراے اہل دنیا جو معادیہ کو چاہتے ہیں، تیسراے خوارج۔  
داہرے اس زمانے کے اصحاب اور تابعین اس قدر علیٰ الاعلان کتاب خدا،

صفتِ رسولؐ اور عہود اسلامیہ کی مخالفت و معاندت کی جاتی ہے معادیہ کا ساقہ  
نہیں چھوڑ راجتا۔ (لیکن جب فیصلہ کے لیے جمع ہوئے تھے اس وقت دونوں طرف  
سے چار چار سو آدمی گئے تھے جن میں صحابہ کی کافی تعداد بھی موجود تھی۔) اس زمانہ  
کا تو ذکر ہی کیا کم از کم حکومت یادستخوان اور جاگیر و عطیہ کا لائچ تھا۔ تعجب ڈالج  
کے عقیدتمندوں پر آتی ہے آج کچھ بھی نہیں رہا پھر بھی اس شخص سے بیزاری کا اعلان  
نہیں کیا جاتا جس کے حق میں علیؓ بن ابی طالب نے بے دینی کا اعلان کر دیا اور پھر

علیٰ کو بھی خلیفہ راشد اور علی الحق کہا جا رہا ہے۔ حکمین کا فیصلہ ہو گیا، حکومتِ اسلامیہ کے دلکشی بن گئے۔ اب نیاشکوندیہ کھلتا ہے کہ وہی لوگ جنہوں نے علیٰ سے جنگ روکنے پر اصرار کیا، انہوں نے مالک اشتہر کو بلا نے پر اصرار کیا۔ علیٰ کی مرضی کے مطابق حکم مقرر نہ ہونے پر اصرار کیا۔ ابو موسیٰ کے حکم بنانے پر اصرار کیا، ان الحکم الالہ کی بے جا صداب لند کرنے لگے اور علیٰ کے مقابلے کے لیے ایک دوسرا گروہ اور تیار ہو گیا یعنی خوارج۔ امیر المؤمنینؑ نے علیٰ الاعلان بتلا دیا کہ ”دیکھو جن لئے دو حکموں کو تم نے اختیار کیا تھا اُن دونوں نے کتابِ خدا کے حکم کو چھینک دیا، جس بات کو قرآن نے مٹا دیا تھا اُنہوں نے اسے زندہ کر دیا۔ دونوں نے اپنی نفاذ خواہشوں کی پیروی کی، جو فیصلہ کیا انہ تو اس کی کوئی دلیل ہے نہ تینہ، نہ کوئی سنت ہے پھر یہ بھی کہ جو فیصلہ کیا اس میں اختلاف و اختصار کہ دونوں نے گمراہی اختیار کی۔ لہذا اب جہاد کے لیے تیار ہو جاؤ اور چڑھائی پر آمادہ ہو۔ ترجمہ ابن خلدون جلد چہارم ص ۳۸۳ پر یہ الفاظ بھی موجود ہیں؛

”امیر المؤمنینؑ کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو آپؑ نے اپنے شکریوں سے خوارج کی جنگ پر دوبارہ بیعت لی، پھر ان کو حکمین کے فیصلہ کا خیال آیا جو شاق و ناگوار گز رہا تھا، آپؑ نے ایک خطبہ دیا جس میں بعد حمد و درود اور نصائح و پند کے بیان فرمایا اے لوگو! اگاہ رہو کر حکمین نے قرآن کے حکم کو چھوڑ کر ہر ایک نے اپنی خواہش کی اتباع کی اور دونوں

نے فیصلہ کرنے میں اختلاف کیا، اور دونوں راہ راست سے علیحدہ ہے، پس اس حکم و فیصلہ سے اللہ اور اس کا رسول اور صلحاء امت بری ہیں لہذا تم لوگ شام پر حملہ کرنے کی تیاری کرو۔“

اس کے بعد ابن خلدون نے اسی عبارت کے سلسلہ میں یہ کہا ہے کہ: ”خطبہ دینے کے بعد خوارج کے پاس نہروان میں ایک فرمان لکھا بھیجا جس میں اس خطبہ کا مضمون تھا اور ان کو اہل شام پر حملہ کرنے کا احصار تھا، صفات الفاظ میں لکھ دیا تھا نحن علی الامر الاول الذی کنا علیہ (ہم اسی پہلی رائے پر ہیں جس پر اس سے پیشتر تھے یعنی اہل شام سے جنگ کریں گے)۔“ خوارج نے جواب میں لکھا:

”تم نے بوقتِ تقریب حکیمِ الشَّرْع عالیٰ کا پاس نہ کیا اور اب اپنے نفس کے اتباع سے لڑنے کو کہتے ہو۔ پس اگر تم اپنے کافر ہونے کا اقرار کرو اور توہ کرو قومِ تھار سے ساچھے ہیں ورنہ، تم سے برابری کے ساتھ لڑنے کو تیار ہیں۔“

امیر المؤمنین علیؑ کو اس خط کے پڑھنے سے نا امیدی ہو گئی، لیکن ان کو زیادہ مضر و خطرناک نہ تصور کر کے شام پر حملہ کرنے کا قصد مصمم کر لیا۔ لوگوں کو برابر جنگ

لئے قابل غور ہے کہ خوارج سے زیادہ خطرناک علیؑ کے نزدیک شامی تھے اور انھیں لوگوں سے امام حسن کا سابقہ ہو گا۔

کی ترغیب دینے لگے۔ ابن عباس کو شترک گاہ نخید سے فوج مرتب وہیا کرنے کو لگا انہوں نے ایک ہزار پانچ سو جنگ آور سپاہی بس رکرو ہی احلف بن قیس مجتمع کریا پھر دوبارہ ابن عباس نے لوگوں کو مجتمع کر کے امیر المؤمنینؑ کا فران پڑھا اور یہ بیان کیا کہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ تم لوگ ساٹھ ہزار ہو جس میں سے صرف ایک ہزار پانچ سو نے جنگ پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ اس قلیل تعداد کو میں کیا بھیجوں۔ اس فقرے کے تمام ہوتے ہی ایک ہزار چھوٹو آدمیوں نے یہینہ پر ہو کر کہا، ہم جنگ پر جانے کو تیار ہیں۔ پس ابن عباس نے ان کو حارث بن قدامہ محدثی کے ساتھ روانہ کیا۔ چنانچہ احلف اور حارث تین ہزار ایک سوکی جمیعت سے امیر المؤمنینؑ کی خدمت میں جا پہنچنے امیر المؤمنین علیؑ نے اہل کوفہ کو جمع کر کے خطبہ دیا جس میں اہل بصرہ کی امداد کا حال بیان کیا۔ بعد ازاں نہایت نرم الفاظ میں پند و نصیحت کر کے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ میرے معادن و مددگار ہو، مناسب ہے کہ ہر سردار اپنے گردہ قبیلہ کی ایک فہرست تیار کر کے پیش کرے کہ ان میں کس قدر جنگ آور سپاہی ہیں۔ سعد بن قیس ہدایی، معلق بن قیس، عدی بن حاتم، زیاد بن حصہ، جہون عدی اور بڑے سرداروں ریسیوں نے برسو چشم اس حکم کی تعمیل کی اور کسی تنفس کو جو قابل جنگ تھا باقی نہ چھوڑا۔ فہرست تیار ہونے پر معلوم ہوا کہ چالیس ہزار نبرد آزمائجہر پہ کا رشتہ ہزار نو عمر، آٹھ ہزار خادم میدانِ جنگ میں جاسکتے ہیں۔ علاوه ان کے تین ہزار ایک سو سپاہی بصرہ کے تھے۔ بعد اس کے امیر المؤمنینؑ نے یہ خبر پا کر کہ لوگ جنگ خوارج کو مقدم سمجھتے ہیں ارشاد کیا، اہلِ شام پر فوج کشی کرنا زیادہ ضروری ہے کیونکہ انہوں نے تم سے مقابلہ کیا، برادر لڑتے رہے۔ ان کا مقصود یہ ہے کہ وہ بزور و جبرا دشاد بن جائیں اور

بندگان خدا کو اپنا غلام بنائیں۔ لوگوں نے اس رائے کو پنڈ کیا اور ترقی ہو کر بولے،  
ہم آپ کے ہمراہ ہیں، جہاں اور جس طرف مناسب سمجھئے رُخ کیجئے۔  
ابھی امیر المؤمنین اہل شام کی طرف روانہ ہونے بھی نہ پائے تھے کہ خوارج نے  
ہنگامہ برپا کر دیا، لوگوں نے امیر المؤمنین کو پہلے خوارج سے پہت لینے کو کہا۔ امیر المؤمنین  
کو مجبوراً خوارج سے پہلے تمام جمُوت کرنا پڑا، چنانچہ خط و کتابت فہاش شروع ہوئی۔  
مورخ ابن خلدون نے مختلف گفتگو جو خوارج سے ہوئی ہے بیان کی ہے اُن میں  
سے ایک یہ ہے جو ترجمہ جلد چہار ماہ ص ۳۸۶ پر مذکور ہے:

”قیس بن سعد بن عبارہ اور ابوالیوب انصاری نے یکے بعد دیگرے

ان لوگوں کو وعظ دپنڈ کیا، پھر خود امیر المؤمنین علیؑ نے خشونت امیز الفاظ میں  
ان لوگوں کو سمجھایا، ان کی رائے کی غلطی ظاہر کی اور حکمیں کی نسبت فرمایا کہ  
چونکہ انہوں نے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ کے خلاف حکم دیا ہے اس  
وجہ سے ہم نے ان کے فیصلہ کو منظور نہیں کیا اور ہم اپنے اُسی خیال پر میں جو  
اس سے پیش تھا۔ علاوہ بریں حکم کے مقرر کرنے کو تم ہی لوگوں نے زیادہ  
زور دیا تھا۔ خیر جو گذر اگز رہا، اب تم لوگ ہمارے ساتھ چلو اور دشمنوں  
سے رُٹو۔ خوارج نے کہا، بے شک ہم لوگوں نے حکم کے مقرر کرنے میں غلطی  
کی، اللہ رسول کے حکم کے خلاف کیا، کافر ہوئے۔ لیکن توہ کے پھر  
سلمان ہو گئے۔ پس اگر تم بھی توہ کرد تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور اگر  
اس سے انکار کر دے گے تو ہم تم سے مخالفت کریں گے۔“

لیکن تمام جنتوں کے پورے ہونے کے باوجود بھی خوارج یہ حصے نہ ہوئے

اور نہروان کی جنگ کو مقدم کرنا پڑا۔ اس جنگ کے حالات اور امیر المؤمنین کے وہ مسخرات جو اس جنگ میں ظاہر ہوئے ہیں قابل دید ہیں۔ مختصر پر کہ اس جنگ میں بھی علی علیہ السلام کو شاندار کامیابی ہوئی۔ اس کے بعد کے متعلق علامہ ابن خلدون یہ لکھتے ہیں :

”نہروان جنگ سے فارغ ہونے کے بعد امیر المؤمنین علیؑ کاقصد اہل شام کی طرف بڑھنے کا تھا، لیکن شکریوں نے تک جانے اور تیر اور نیزوں کے زخمیوں کی شکایت کی اور کوفیں واپس چلنے کی درخواست کی تاکہ چندے آرام کر کے دشمنوں پر کمال مردانگی و مستعدی سے حملہ کریں۔ شاید اس اشارہ میں ہماری تعداد بھی بڑھ جائے۔ اس گفتگو کے کرنے پر اشاعت بن قیلسہ ماوری کیے گئے تھے۔ امیر المؤمنین علیؑ نے اس امر کو منظور رکھی۔ ساتھ ہی اس کے شام کی طرف بھی نہروان ہوئے بلکہ کشفے کو لوٹے اور مقام نخیلہ میں پہنچ کر قیام کر دیا اور عام حکم دے دیا کہ کوئی شخص اپنے مکان پر زخمی جب تک دشمنوں کی طرف خروج نہ کر کے فتحیاب ہوئے۔ لیکن زمان قیام شکرگاہ میں اکثر لوگ شکرگاہ خالی چھوڑ کر اپنے مکانوں پر چلے آئے۔ امیر المؤمنین علیؑ چھاؤنی کو خالی دیکھ کر ان لوگوں کے پاس آئے اور دوبارہ لڑائی کی ترغیب دی۔ مدد و دے چند آدمیوں نے مستعدی ظاہر کی پھر چند روز ڈھنبر کر اس کے سرداروں اور رئیسوں کو طلب کر کے ان کی رائے

---

لے لگا۔ گل غیب نہیں مانا جائے تو بھی تجوہ سے ثابت ہو چکا کہ اشاعت کا ظاہر کیا تھا باطن کیا تھا۔ ایسے شخص کی رائے پر بھروسہ کیوں کر کیا جا سکتا تھا۔

دریافت کی اور تاخیر کرنے کی وجہ استفادہ کی۔ ان لوگوں میں سے نہایت کم آدمیوں نے شام پر فوج کشی کی خوشی ظاہر کی۔ امیر المؤمنین علیؑ کا چہرہ اس سے سُرخ ہو گیا۔ مولانا طارُ اللہ، خطبہ دیا، سختی سے تقریب کی، ان کے فرائض سے ان کو مطلع کیا، نصیحت فضیحت بہت کی یہکن کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی بُت کی طرح خاموش بیٹھے رہے ہے۔“

حالات سے ناواقف لوگ خصوصاً غیر مسلم مورخین جو زیادہ تر بعض انسیں اور لتنے ہی حالات سے مطلع ہوتے ہیں جو جناب امیر علیہ السلام کے مخالف کیمپ سے بیکھلتے ہیں اور جنہیں پرقطعًا معلوم نہیں کہ خلافت کے معاملہ میں اگرچہ حضرت علیؑ کو چوتھی جگہ شارکیا جاتا ہے مگر (باوجود اس وقت خلیفہ ماننے کے بھی) ان سے ویسی ہمدردی نہیں جیسی گزشتہ خلفاء سے تھی، بلکہ علیؑ سے تو ان کے مخالف (مگر مدعاویان اسلام) مسلمانوں کو اتنی بھی ہمدردی نہیں جتنا معاویہ سے ہے۔ حضرت علیؑ کے لیے اس موقع پر تاخیر جنگ کا اذام لگانے والے غور نہیں کرتے کہ ایسی فوج کے بل پر کیونکر راڑائی اڑائی جا سکتی تھی۔ علام ابن خلدون جو مورخین میں مخالفت اور بیعت کا بڑا پکا علم دار ہے ابھی اس کی تحریر ملاحظہ کی گئی اس کے بعد بھی کسی اعتراض کا محل حضرت علیؑ کے حق میں ہو سکتا ہے ہرگز نہیں!

جب امیر المؤمنینؑ کی نصیحت فضیحت امر زجر کسی کا اثر نہ ہوا تو آپ مجبوڑا دار اسلطنت (کوفہ) کی طرف لوئے۔ تاریخ اسلام باب ۵ ص ۲۰ سے واضح ہوتا ہے کہ حکمیں کے قبیلے کے بعد ایک خط و کتابت امیر المؤمنینؑ اور معاویہ سے ہوئی

ہے اور معاویہ کی روزانہ کی غارت گری سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ معاہدہ بھی وقتی طور پر ہوا ہے کہ شام و مصر معاویہ اور عراق و دیگر اسلامی علاقوں میں علی مرتضیؑ کا قبضہ رہے۔ دہاں پہلوخانہ کہ شام پر حملہ کی فکر ہی میں تھے کہ اسی اشارہ میں دشمنوں کی نیشن نے اپنا کام پورا کر لیا۔ نفس رسولؐ پر جب آپ روزہ رکھے ہوئے مسجد میں نماز میں شغول تھے کہ اشقی الآخرین عبد الرحمن بن الجم کی زہرا لودھوار چل گئی اور آپ خدمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جا پہلوخانے۔ سازش کے ایک جزو برک کو معاویہ پر حملہ کرنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا تو بقول ابن اثیر (ج ۳، ص ۱۵)، اس نے معاویہ سے خطاب کیا کہ میں آپ کو ایک خوشخبری سناتا ہوں۔ بتلا یہ اگر خوشخبری سناؤں تو مجھے اس سے کوئی فائدہ پہلوخانے گا۔ اُس نے کہا ہاں! – تب اس نے کہا کہ میرے ایک بھائی نے آج ہی رات کو علیؑ کو قتل کر ڈالا۔ معاویہ نے کہا ممکن ہے کہ اس کو موقع نہ ملا ہو۔ برک نے کہا کہ ایسا یکون کہ ہو سکتا ہے، علیؑ کے ساتھ تو کوئی محافظ نہیں ہوتا (اس روایت میں اس کے بعد اس کو قتل کیے جانے کا حال لکھا ہے)، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ (یہ سُن کر) معاویہ نے برک کو قتل سے معاف کر دیا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور وہ اس وقت تک زندہ رہا جب کہ زیاد بصرہ کا حاکم ہوا اور برک وہاں رہا۔ اُس کی اولاد میں بھی ہوئیں۔ مختصر یہ کہ خواہ کسی کی سازش رہی ہو علیؑ کی شہادت واقع ہو گئی۔ تاریخ اسلام میں ہے:

”مسعودی کہتا ہے کہ بعض لکھتے ہیں کہ وفات کے وقت علی مرتضیؑ نے امام حسن اور اُن کے بعد امام حسینؑ کو اپنا وصی کیا کیونکہ آئی تطہیر میں یہ بھی حضرت کے ساتھ شریک ہیں اور یہ قول اکثر اُن لوگوں کا ہے جو نفس کے قاتل

ہی۔ العقد الفرید، روضۃ الاحباب، جیب السیر، وسیلۃ النجاة، ملامین، نزول الابرار اور سراجیلیل مولوی عبد العزیز دہلوی میں بھی یہی ہے کہ حضرت علیؑ نے وقت وفات امام حسنؑ کو اپنا جانشین کیا تھا۔ ابو الفداء طبری، سعودی اور ابن اثیر و ابن خلدون وغیرہ نے لکھا ہے کہ (جب آپ زخم کھائے پڑے ہوئے تھے) لوگوں نے حضرت سے پوچھا کہ یا حضرت اگر خدا نخواست آپ کا انتقال ہو جائے تو ہم حسنؑ کی بیعت کر لیں؟ حضرت نے فرمایا میں تو کچھ ہاں یا نا ہنیں کہتا، تم خود ہی سمجھدار ہو۔“

امیر المؤمنینؑ کی شہادت کے بعد خواہ بہ وصیت و خواہ بہ بیعت اب امام حسن علیہ السلام کی خلافت ان حالات میں شروع ہوتی ہے۔ اشعث نے جنگ نہروان کے بعد امیر المؤمنینؑ کی رائے جنگ اہل شام کی ھلکی ھلکی خلافت کی وہ ظاہری ہے۔ سمجھیں آسکتا ہے کہ اس کے اندر کتنے اور ہیوں کے، اور یقول ابن خلدون امیر المؤمنینؑ کے اصرار اور نصائح و فضائح کے باوجود لوگ چھاؤنی چھوڑ کر بھاگ گئے اور ایسے بھاگ کے باوجود یہ کہ امیر المؤمنینؑ خود اُن کے پاس گئے، پھر بھی ”نہایت کم آدمیوں“ نے آمادگی ظاہر کی جس سے آپ کا پھرہ سرخ ہو گیا۔ شام پر حملہ میں یہ لیت ولعل جاری تھی کہ امیر المؤمنینؑ کی شہادت ہوئی۔ مذکورہ بالا حالات سے خوب اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ امام حسنؑ کو کہتے اور کیسے سپاہی ملے اور ان کو نے کر کیا اہم اقدام ہو سکتا ہے۔ ادھر تو حسنؑ کے گھر علیؑ کا ماتحت تھا اور پھر ایسے نامعقول اور نامنjar سپاہیوں کا ساتھ تھا۔ آپ کی خلافت کا ہونا تھا کہ معاویہ ایک دم ساٹھ ہزار فوج لے کر امام حسنؑ کے مقابلہ

کیلے مقام مکن پر آپ ہو نچا۔

چونکہ میرا خطاب ابھی تک شیعوں سے ہے اور صرف ان کی تسلی کے لیے یہ سب کچھ لکھ رہا ہوں بتانا چاہتا ہوں کہ امام کے معصوم مفترض الطاعۃ ہونے سے اگر قطع نظر بھی کی جائے جب بھی مقتضائے اصول و دانش مندی یہی تھا، یعنی صلح کر لینا اور اسی امر کو ملحوظ رکھ کر رسول خدا اور علی مرتضیؑ کے حالات صلح لکھے گئے ہیں کہ اگر صلح حنؑ قابل اعتراض ہے یا سمجھ میں نہیں آتی تو پھر وہی اعتراض رسولؐ اور وصی رسولؐ پر بھی کیوں نہیں کرتے صرف امام حنؑ ہی کی کیا خصوصیت ہے۔ یہ بار بار عرض کر چکا کہ ان حضرات کے اقدام کو حکمت، عدالت، شریعت اور انسانیت کے قانون کا لحاظ کر کے دیکھنا چاہیے، صرف نام اور دلی اور دکھاوے کی شجاعت اور ہواۓ نفس و زمانہ کی پابندی یہ حضرات ہرگز نہ کرتے تھے زان کو ایسا زیبا تھا انہوں نے اسی سلطنت قائم کرنا تھا جس کا نام تو اسلامی ہو اور اس کے احکام اور حکام کا عمل خدا و رسولؐ کے خلاف حکم ہو۔ صاحب تاریخ اسلام نے اس موقع پر ایک سوال نقل کیا ہے اور خود امیر المؤمنینؑ کا جواب بھی نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

”صفین سے واپسی کے وقت راستہ میں عبد اللہ بن ودیعۃ الانصاری

جناب امیر سے ملے اور کہا کہ اکثر لوگ آپ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ نے بقیہ اطاعت شواروں کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کیوں نہ کی، فتح پاتے یا شہید ہو جاتے۔ نافرمانوں کی آپ پر وادن کرتے۔ حضرت نے فرمایا، حسن و حسین شہید ہو جاتے اور نسل یہ بھر قطع ہو جاتی اور یہ مجھے منظور نہ ہوا حسین کے بعد عبد اللہ بن جعفر اور محمد بن خفیہ بھی شہید ہو جاتے اب یہ کسی جنگ

میں انھیں ساختہ نہ لے جاؤں گا۔ ” (کامل ابن اثیر مطالب السؤال، ارجح المطالب)

امیر المؤمنین کا یہ جواب بظاہر ناقابل قبول معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ جو شخص یہ کہہ رہا ہو کہ یا فتح یا شہادت اس کے لیے یہ کیا دشوار تھا کہ ان حضرات کی شہادت کے لیے کہہ دے کہ میں تو یہ کہہ ہی رہا ہوں کہ یا فتح یا شہادت آپ بھی شہید ہو جلتے یہ حضرات بھی ہو جاتے لیکن سائل کا سکوت بتلاتا ہے کہ سائل نے اس جواب کو تسلی بغش پایا اس سے اصل مقصود معلوم ہو گیا۔ مطلب یہ تھا کہ تم نے دو صورتیں بیان کیں یا فتح یا شہادت تو فتح کی تو ان محدودے چند اطاعت شعرا روں کے ساختہ جنگ کرتے میں کوئی امید ہی نہ تھی۔ دنیا دار الاسباب ہے۔ اس طرف کے اگر لاکھ نہیں تو ہزاروں کے مقابلہ میں ادھر کے چند مارے ہی جاتے۔ چنانچہ حسن و حسین، عبداللہ و محمد سب مارے جلتے لیکن ان کا مارا جانا لوگ اور انہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ وقت ایسا ہے کہ ان کا بچانا زیادہ اہم ہے اور وہ بھی اس حد تک کہ آئینہ اس خطرہ سے محفوظ رہنے کے لیے ان لوگوں کو کسی جنگ میں ساختہ لے جلنے سے احتیاط کا ارادہ ہے۔ کہنے والا بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ کیا بات ہوئی نسل رسول ﷺ کے منقطع ہونے میں کیا خرابی ہے اور عبداللہ و محمد کے شہید ہونے کے لیے تو آپ نے قطع نسل کی توجیہ بھی نہیں کی۔ وہ مارے جاتے ہیں تو مارے جانے دیجئے۔ مگر سائل نے اس کا موقع نہ پایا۔ حالات بیش نظر تھے وہ جان رہا تھا کہ نسل رسول ﷺ کے منقطع ہونے میں کیا خرابی ہے اور عبداللہ و محمد کے شہید ہونے سے کیا بگڑتا ہے، اُسے معلوم تھا۔ اور واقعہ بھی یہی تھا کہ نسل رسول ﷺ کا منقطع یا عبداللہ و محمد کے سے حضرات کی شہادت کا مطلب اُس دین کا فنا ہو جانا ہے جس کی حفاظت کے لیے علیٰ جنگ کر رہے ہیں، کیونکہ دین حقیقی رسول ﷺ صرف

نسیل رسولؐ اور ان کے محدودے چند مخلصین کے ساتھ وابستہ ہے ز دین رسولؐ ان سے جُدا ہو سکتا ہے ز وہ دین سے جُدا ہو سکتے ہیں (انہماں یفتراق احتیٰ یہ ردّاً علیٰ الحوض) تو ان کے قتل کے یہ معنی ہوتے کہ رسولؐ کی ساری محنت پر پانی پھر جاتا۔ گو ظاہر میں تو یہ کہہ کر خوش ہو جاتے کہ علیؑ نے بڑی بہادری کی جان دے دی۔ لیکن دور میں اور حقیقت خناس آنکھیں صرف دنیا کی تعریفوں پر نہیں للجاتیں، اس طرح رسولؐ کامن فیل ہو جاتا اور صرف وہی دین بلا کسی روک ٹوک اور کسی مقابل کے باقی رہ جاتا جو معاویر اور اس کے ہم زنگوں کے پاس تھا۔ لیکن علیؑ کو یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ صرف ظاہرین انسانوں کی تعریف کے لیے اس دین کو ڈبو دیتے ہے اپنے بچپن سے خون پسند ایک کر کے محفوظ رکھا تھا اور رسولؐ خدا جس کا امین آپ کو بنایا کر دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اصل میں اس اصول، اس ملن اور اس دین کی حفاظت عزیز تھی جو خاتم النبیین لے کر آئے تھے اور جس کے محافظ اہلیت اور صرف اہلیت تھے، اور جس کی بقا کے لیے امیر المؤمنین جنگ کر رہے تھے یہ مقصود ہرگز نہ تھا کہ ملک فتح ہوتا یا غہادت کا تغذہ ملتا۔ شہادت بھی تو اسی لیے قابلِ قدر ہے کہ وہ دین حق کے بقا کا سبب ہے جو اصل مقصود ہے۔ اور جب اصل مقصود ہی مفقوود ہو گیا تو ایسی شہادت کس کام کی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جب عوام کی آنکھوں پر اتنا گہرا پردہ پڑ جکا کہ عمار کے قتل کا سبب معاویر علیؑ کو قرار دیتا ہے اور مدعاویں اسلام اس کے جواب سے راضی ہو جاتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرح کی شہادت میں حسن، حبیب، محمد حنفیہ کا قاتل علیؑ کو قرار دے دیا جائے۔ ممکن ہے بہاء نخون عثمان کی طرح جب زمانہ

اندھا ہی ہو گیا ہے خون فرزند رسولؐ کا بہانہ نکال دیا جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ظاہر کرتا تھا کہ فرزندانِ رسولؐ کس کے ہم رائے تھے اور جن کے لیے سرورِ عالم کی متواتر حاشی شاہزاد فضل ہیں وہ کس کے پیر و اور ان کی حفاظت کس کے ذمہ ہے، وغیرہ۔

چونکہ اس کتاب کے اس حصہ میں تنخاطب صرف شیعوں سے ہے اس بنا پر رجھول خدا اور امیر المؤمنینؑ کے حالات کو تمہید اپیش کیا گیا۔ امیر المؤمنینؑ کے یہاں تک کے حالات کے بعد امام حسنؑ کا سابقہ ایسی امتت ایسی رعیت اور اسی دشمن سے ہوتا ہے جس سے ابھی کل پرسوں تک علیؑ کو سابقہ پڑا تھا، امام حسنؑ ایسے لوگوں سے کیا تو قع کر سکتے تھے یا امام حسنؑ کے ساتھ ان لوگوں کو کیا ہمدردی ہو سکتی تھی خود بخود واضح ہے لیکن قبل اس کے کہ ہم امام حسنؑ کی معادی سے صلح کا حال لکھنا شروع کریں مناسب خیال کرتے ہیں کہ امیر المؤمنینؑ اور معادی کے متعلق بعض موڑیں کی رائیں نقل کریں تاکہ آئندہ رائے قائم گرنے میں سہولت ہو اور اندازہ ہو سکے کہ علیؑ کو ایسی دشواریاً تھیں تو علیؑ کے نقش قدم پر چلنے والے کو کیا دشواریاں ہوں گی دراخایکہ حسنؑ کی بیت بھی اُس طرح اور ان لوگوں نے زکی تھی جس طرح اور جن لوگوں نے علیؑ کی بیت کی تھی۔ نیز حسنؑ سے عداوت میں اور بھی افاذ ہو چکا تھا کیونکہ جمل و صفین اور نہروان کے مقتولین کے درذہ اپنے موڑیں کے قاتل (علیؑ) کے فرزند سے بدلتی لینا یا ان کی مخالفت کرنا یا کم از کم ان کی موافقت نہ کرنا اپنی میراث ہی جانتے تھے۔ (لاماشاء اللہ)

صلح صفین کے متعلق احسان اللہ صاحب عباسی کی رائے  
امیر المؤمنینؑ کے متعلق احسان اللہ صاحب عباسی اپنی تاریخ اسلام میں جو رائے

لکھتے ہیں وہ بعینہ نقل کی جاتی ہے اور محبان علیؑ سے امید ہے کہ باوجود ادعاً محبت واقعات سے بے بہرہ رہ کر امیر المؤمنینؑ کے خلاف رائے قائم کرنے میں تعجیل سے کام نہیں گے۔ اس لیے کوہہ تو علیؑ کو معصوم اور خطاؤں سے پاک سمجھتے ہیں اور یہ رائے ایسے شخص کی ہے جو علیؑ کو غلطی کر سکنے والا انسان خیال کرتا ہے، (اس کی تائید تاریخ اسلام مولفہ عباسی صاحب میں ملتی ہے) احسان اللہ صاحب لکھتے ہیں :

”معادیہ کے ساتھیوں کو مک کرنے، جھوٹ بولنے اور مسلمانوں کا خون ناچ بہانے میں کوئی تامل نہ تھا اور یہاں علیؑ بن ابی طالبؑ کو بڑی دقت یہ تھی کہ وہ خود کو احکام شرعی کا پابند رکھتے تھے۔ شروع میں وہ تلوار سے کام نہ لیتے تھے۔ تلوار جب اٹھاتے تھے کہ محاصلہ اختیار سے باہر ہو جاتا تھا اور اس پر بھی ایک دقت یہ تھی کہ ان کے ساتھی بھی کبھی کبھی مسلمانوں کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے سے روک جاتے تھے اور ممکن ہے کہ معادیہ کے گروہ میں بھی ایسے لوگ ہوں جو حضرت عثمان کے قتل ناچ سے متاثر ہو کر نیک نتیجے سے شیعیان علیؑ کے مخالف بنے ہوں۔ غرض کو علیؑ کی حالت اپنی خلافت کے زمانہ میں عجب کشمکش میں تھی اور میرے نزدیک رسول اللہ کے صحابیوں سے کسی نے بھی حضرت علیؑ کی سی روحاںی تکلیف نہیں اٹھائی۔ لوگ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے واقعہ کو نہایت سخت سمجھتے ہیں لیکن میرے نزدیک حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی حالت کشمکش زیادہ تر ہمدردی کے لائق ہیں۔ اگر واقعہ کربلا کو طاعون سے نسبت دیں تو علیؑ کے دفتروں کو عارضہ رضیق لaps

سے تشبیہ دے سکتے ہیں (ص ۱۹۸) مطبوعہ ۱۸۹۵ء۔ بعض کچھ رائے  
مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ کی خود رائی ناکامی کا سبب ہوئی، لیکن  
حضرت علیؓ پر خود رائی کا الزام غلط ہے۔ علم، شجاعت، ممتازت اور حکمت  
ان کے حصے میں تھی خود رائی چ معنی دارد، خود رائی نہیں بلکہ وہ حالات ان  
کی ناکامیوں کے سبب ہوئے جن کا خلاصہ اور بیان کیا گیا۔

محاضرات راغب اصفہانی میں ہے کہ:

”معاویہ کو حضرت علیؓ پر محض اس وجہ سے غلبہ حاصل ہو گیا کہ معاویہ  
ہر حید سے اپنا کام نکالتے تھے، چلے ہے حلال ہو یا حرام۔ بات یہ ہے کہ  
معاویہ کو دین کی پرواہ تھی اور نہ خدا کا خوف تھا اور حضرت علیؓ کی حیلہ ناجائز  
کو بھی کام میں نہ لائے۔“

علامہ ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتے ہیں:

”ابو قیس ازدی سے مردی ہے کہیں نے لوگوں کو تین طرح کا پایا۔

ایک اہل دین جو حضرت علیؓ کو دوست رکھتے تھے۔ دوسرا اہل دنیا جو

معاویہ کو چاہتے تھے۔ تیسرا خوارج۔“

رأی آریبل یہ امیر علی صاحب مرحوم بالقابر اپنی تاریخ (۹) A Short History of the Saracens کے  
ص ۱۴ پر لکھتے ہیں:

”معاویہ کے چال چلن اور ان گیفیات کا خلاصہ جنہوں نے معاویہ

کی جیت کو یقینی بنادیا۔ ایک انگریز اہل قلم نے جس کے خیالات کم از کم

اس معاملہ میں تعصب کے نہیں ہو سکتے اس طرح بیان کیے ہیں : ساینا، بذیت، اور بے رحم اموری خلفاء میں کا یہ پہلا خلیفہ کسی گناہ سے جو اس کے مطلب جاصل کرنے میں ضروری ہو رہ جو جتنا تھا اپنے ایسے مخالف کو جس سے اس کو خطرہ ہو رہا صاف کرنے کے لیے اس کو قتل کر دینا اس کی عادت تھی۔ پیغمبر کے نواسہ کو اُس نے زہر دلوادیا۔ علیؑ کے بہادر لفظیت مالک اشتر کو اسی طرح ہلاک کر دیا گیا۔ اپنے بیٹے یزید کی خلافت جمانے کے لیے معادیوں نے ان وعدوں کی خلاف درزی میں ذرا تائل نہ کیا جن کا عہد علیؑ کے فرزند حسنؑ سے جعل کے بعد پچھے کر چکا تھا۔

باوجود اس کے اس مطہن، پہلے سے تدبیر سوچ رکھنے والے، منکر خدا عرب نے اسلامی مملکت پر خود بھی حکومت کی اور اس کے خاندان کے قبضہ میں حکومت اسلامی کا عصا تقریباً نو سال رہا۔

امام حسن علیہ السلام کو امیر المؤمنین علیہ السلام کے بعد انہی معاویہ صاحب سے سابق پڑا تھا بلکہ اتنا اور اضافہ تھا کہ ہر شخص کو یہ معلوم تھا کہ امام حسن ہو ہو علیؑ اور رسولؐ کی نقل ہیں اور انہی کے نقش قدم پر چلیں گے معاویہ کی طاقت اور علانیہ اسلام کشی کی جرأت میں اب ابتدائے بیعت امیر المؤمنین کے زمانہ سے کہیں زیادہ اضافہ ہو چکا تھا اور ان لوگوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہو چکی تھی جو کلم ھلا معاویہ اور اس کے اعمال کے طفدار تھے اور معاویہ کی صحبیت و احتجاب کی عظمت پورے شباب پر ہو گئی تھی امیر المؤمنین سے بڑھ کر نبی اللہؐ کیا گیا اور کسی مسلمان کو جرأت نہ تھی کہ تو ٹکتا ہے دیکھو کامل ابن اثیر (ج ۲ ص ۲۷) مالِ مفت دل بے رحم داد دو ش

کا بازار اب زیادہ گرم تھا۔ خزانہ، فوج قبضہ میں تھی۔ پھر یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ قتل غمان کے بعد جیسا اضطراب و انتشار پھیلا تھا اور جس نے علیٰ کی بیعت پر لوگوں کو مجبور کر دیا تھا اور ایسے ایسے لوگوں کو بھی مجبور کر دیا تھا جو اپنے دل میں تھنے حکومت و خلافت لیے ہوئے تھے، امام حسن کے وقت میں نہ تو لوگوں میں ویسا اضطراب تھا اور نہ اس طرح کی بیعت ہی ہوئی تھی۔ بلکہ مورخین کا وہ بیان جو اور پر گذرا، بتلاتا ہے کہ آپ امیر المؤمنینؑ کی وصیت سے خلیفہ ہوئے۔ طبری و خلدون نے تو اس کو بھی صرف اشاروں میں بیان کیا۔ ان سب کا خلاصہ یہ تھا کہ خلافت کے لیے جس بیعت کے لوگ اور جس رنگ کی بیعت کے لوگ عادی ہو چکے تھے وہ بھی مختلف ہے۔

اب ایک طرف تو معاویہ اور ویسا جیسا اور پر بیان ہوا۔ دوسری طرف وہ رعایا اور فوج جو آپ کی رعایا اور فوج کہلاتی تھی یعنی بالفاظ دیگر وہ لوگ جنہوں نے گھلم ھلانہ معاویہ کو خلیفہ نہیں مانا تھا اور امام حسن کی رعیت اس لیے تھے کہ وہ علیؑ کی فوج کے ایسے لوگ تھے جن کا ذکر ابھی ہوا، اور اس طرف امام حسن جو حرف بحرفت پابندِ حکام خدا و رسولؐ اور پابندِ شریعت اور پیر در رسولؐ و علیؑ۔

اس طرح امام حسن کی حکومت یا بیعت ہوئی اور جس طرح کے لوگوں نے بیعت کی اس کا اندازہ اور ان بیعت کشندگان کو لے کر جس سے مقابلہ ہے اس کا بیان اور پر گذرا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ امام حسن کے حالات پر نظر ڈالیں اور آپ کی صلح پر غور کریں کہ آپ کو رسولؐ کے دین کی ذمہ داری لیے ہوئے گیا کرنا چاہیے تھا۔ آپ ۱۵ رمضان سے مقام مدینہ منورہ پیدا ہوئے۔ رسالت مآبؑ کی

شہادت کے وقت آپ کا سن کچھ اور سات سال کا تھا۔ آپ کی حیثیت و حالت عام بچوں کی سی نہ تھی بلکہ بچپن ہی سے خدا و رسولؐ کی طرف سے خاص امتیاز کے مالک تھے۔ آیت تہمیر کے مصدق واقعہ مبارہ کا ایک جزو، باوجود کسی ہونے کے اذادعوت فامنوں کے مخاطب کی بچوں سے بیعت نہ لینے کے باوجود رسولؐ خدا کا آپ سے بیعت لینا اور آپ کو مخاطب فرمانا وغیرہ بتلاتا ہے کہ آپ کی حیثیت عام بچوں کی سی نہ تھی۔

”ان الحسن بن علیٰ جاء علابی بکر و هو على منبر رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال انزل عن مجلس ابی فقال صفت

والله انه لمجلس ابیك ثم اخذة واجلسه في حجرة و بكى“  
دارج المطالب ص ۲۷۱

وہ تمام واقعات جو آپ کے نانا کی وفات کے ساتھ ہی الہبیت پر آن پڑے سب آپ کے سامنے تھے۔ آپ نے اپنے نانا کی زندگی ہی میں آئندہ واقعات کی بہت کچھ خبریں سن لی تھیں اور بہت سے احکام سمجھے اور معلوم کر لیے تھے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کی زندگی کے وہ واقعات جو بعد وفات سرورِ دو جہاں پیش آئے تھے از اول تا آخر سب آپ کے پیش نظر تھے۔ اگر امام حسن علیہ السلام کی حالت صرف عام انسانوں کی سی بھی مانی جائے، خاندانی خصوصیات، امامت، عصمت وغیرہ کا لحاظ نہ بھی کیا جائے تب

لئے جب میں دھا کروں تم آئیں کہنا۔

لئے امام حسن، حضرت ابو بکر جرج وقت نبیو رسخے پر پنجے فرمایا یہ باب کی نشست گاہ سے بیچے آؤ۔ ابو بکر نے کہا، سچ کہا بخدا یہ آپ ہی کے باب کی جگہ ہے، پھر آپ کو گود میں بٹھایا اور رو دیئے۔

بھی حضرت ابو بکر کی خلافت کا زمانہ آپ کے سات سے نورس تک کے سن کا ہے، ایسے حادث اس سن کے پچھے اچھی طرح یاد رکھتے ہیں اور رکھ سکتے ہیں۔ پھر عمر صاحب کی خلافت تو سن شور و شباب میں دیکھی۔ حضرت عثمانؓ کی پوری خلافت بھی پورے تجربہ و عملی زندگی کے زمانہ میں گزری۔ آپ نے عالم کا رنگ ڈھنگ، امیر المؤمنینؓ کی بیعت ظاہری اور اس کے آثار خوب اچھی طرح دیکھے اور امن انقلاب، جنگ، صلح کے نقشے پوری طرح آپ کے سامنے رہے۔ مدعاویانِ اسلام کے کیریکٹر بھی واضح طور سے پیش نظر ہے۔ اگر آپ کی ۱۸ برس کی عمر سے امیر المؤمنینؓ کی بیعت عامر کے زمانہ تک اور آپ کے عہد حکومت تک کا حساب لگایا جائے تو آپ کو مکمل ۲۵ سال اس امریں گذرے کہ آپ سماں کے حالات نہایت ہی اتصال کے ساتھ ملاحظہ فرماتے رہے اور اصحاب کا رجحان طبعی اور بیعت کرنے والوں کے میلان فطری کا گھری نظر سے مطالعہ فرماتے رہے۔ امیر المؤمنینؓ علیہ السلام کی شہادت ۲۱ رب میضان ۶۴ھ میں واقع ہوئی اس وقت امام حسنؓ کی عمر ۲۷ سال کی تھی اور آپ کی بیعت انھیں مدعاویانِ اسلام نے کی تھی جنہوں نے امیر المؤمنینؓ کی بیعت کی تھی اور جو مقام خیلے سے باوجود سخت تنبیہ، تزییب، تونیخ و تحریص کے معاویہ سے جنگ پر آمادہ نہ ہو کر متفرق ہو گئے تھے۔ اب حالات ذکورہ بالا پر نظر کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کی حکمت علی کیا ہونا چاہیے تھی۔ اُج تو کوتاہ بین کہہ رہے ہیں کہ امام حسنؓ نے صلح کی ذکر ناچاہیے تھا۔ اگر کہیں آپ نے فوج کشی بھی نہ کی ہوتی تو ز جانے دینا اور کس گمراہ کوں رکھے پڑ جاتی۔ غالباً اسی دن کیلے آپ نے باوجود اس کے کہاں بیعت کرنے

والوں کی خوبی سے اچھی طرح واقع تھے پھر بھی نادانوں کی زبان بند کرنے اور کوتاہ اندریوں پر رجحت تمام کرنے کی خاطر جنگ کا ارادہ کر لیا اور ظاہری کوئی بھروسی آپ کی بیعت ہوتے ہی معاویہ نے ۹ ہزار فوج لے کر آپ پر حملہ کیا اور مقام مکن میں آفراہو بغاۓ سے دس فرسخ تکریت کی جانب اوناں کے قریب واقع ہے۔

امام حسن علیہ السلام نے بھی مقابلہ کے لیے خود فوج کی کان ہاتھیں لی اور قیس بن سعد بن عبادہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بارہ ہزار فوج بھیجی جو معاویہ کی پیش قدمی کو دیکھ کر خود فوج لے کر کوڈے سے سا باط مدائں میں آگے لیکن چند روز بعد مدائں میں ایک جھوٹی خبر شہور ہو گئی کہ قیس مارے گئے تاریخ کامل و تاریخ بن واضح سے واضح موتا ہے کہ یہ خبر معاویہ نے شور کرانی تھی۔ اس خبر سے امام حسن کی فوج میں بغاوت پھیل گئی، وہی لوگ جو آپ کے ساتھ ہو گئے کہ معاویہ کا مقابلہ کرنے کا اظہار کر رہے تھے آپ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے، آپ کا سب مال و متاع لوٹ لیا، آپ کے نیچے سے مصلیٰ تک گھیٹ لے گئے اور رِدھاک دوش مبارک سے اُتار لی۔ مگر ریدہ اور ہمدان کے بعض بیادروں نے آپ کو بچایا اور بعض گمراہوں نے معاویہ سے سازش کر کے اور رشتوں لے کر ارادہ کر لیا کہ آپ کو گرفتار کر کے معاویہ کے حوالہ کر دیں، اور ان کے بعض رئیسوں نے خفیہ خط و کتابت کر کے معاویہ کی اطاعت قبول کر لی اور اُسے لکھا کہ بہت جلد عراق چلے آئیے۔ ہم ذمہ لیتے ہیں کہ امام حسن کو چڑھا کر آپ کے حوالہ کر دیں گے (جیسا سیر وابن اثیر)۔ اس بحگامہ میں آپ کی ران پر ایک بد بخت نے ایسا وار بھی کیا کہ جس سے ہڈی تک کا گہرا زخم لگا۔ مجبوراً اور ہاں سے مدائں کے تصریبین میں چلے گئے اور اس کے علاج میں مصروف ہوئے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ امام حسن کی بیعت کرنے والے یا آپ کی فوج زیادہ سے زیادہ چالیس ہزار تھی، اور معاویہ جو فوج میدان میں لایا وہ تو ۷۰ ہزار تھی۔ قرآن مجید کی آیت میں جہاد کے لیے دو کے مقابلہ میں ایک کی حد رکھی گئی ہے، اس حساب سے ۸۰ ہزار ہوتے تو ۴۰ ہزار سے لے کر جنگ کی گنجائش ہوتی، ورنہ حکم قرآن وجوب سے آزادی ہے۔ یہ توجب ہوتا جب کوئی امام کی صفت ابھی مگر یہاں کا عالم تو وہ تھا کہ جس کے متعلق معلوم ہو کہ ان لوگوں کو ابھی ابھی امیر المؤمنین نے ہر چند اجبار، اگسایا، ملامت کی، رغبت دلائی مگر وہ معاویہ سے لڑنے پر آمادہ نہ ہونا تھا نہ ہوتے۔ عباسی صاحب تاریخ اسلام ص ۲۰۸ پر لکھتے ہیں جنگ خوارج کے بعد) :

”اب امیر المؤمنین نے براہ موصل شام چلنے کا ارادہ کیا۔ لیکن سردار ان فوج کی رائے ہوئی کہ ہتھیار خراب ہو گئے ہیں۔ کوذ چل کر نئے ہتھیار لیے جائیں اور پھر وہاں سے شام کا ارادہ کیا جائے۔ کوذ میں چل کر پاہیوں نے ہاتھ پاؤں پھیلادیئے جس سے علیؑ نے ارادہ ملعوی کر دیا۔ پھر لوگوں نے امیر المؤمنین علیؑ سے مذارت کی اور انہوں نے پر بجوری مذارت قبول کی، مذارت قبول نہ کرتے تو اور کیا کرتے“

یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ معاویہ کے یہاں کسی اصول اسلامی کی پابندی نہ تھی بلکہ جس طرح ہو سکے حصوں مقصود پیش نظر تھا۔ مگر امیر المؤمنین کے یہاں سرموٹ احکام شرع سے تجاوز جائز نہ تھا۔ نہ خود تجاوز کرتے نہ تجاوز کرنے والے سے چشم پوشی

کو جائز رکھتے۔ علامہ عباسی ص ۱۹۷ پر لکھتے ہیں :

"پیغمبر خدا کو مرے ہوئے پہیں برس ہو چکے تھے۔ ان کے فیض صحبت کا اثر طبیعتوں سے زائل ہو جلا تھا۔ جنگ جمل تک کھینچ کھا پ کر نیک نیتی اور غلط نیتی کو کھپایا گیا میکن اب اس کی گنجائش نہیں رہی۔ اب صاف طور پر تعلیم کرنا پڑتا ہے کہ امیر المؤمنین علی کرم اللہ و جہانیک نیتی کے قدم بقدم تھے، یعنی دین اور دنیا دنوں کو وہ ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ وہ یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ امت نبوی پر کوئی نااہل حکمران یا امیر ہو، اور یہ بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ جس کو وہ سب سے اچھا سمجھیں (یعنی اپنی ذات کی) اُسے پولیٹکل معاملات سے الگ رکھیں۔ میکن اس کے ساتھ ہی وہ دین کو دنیا پر مقدم سمجھتے تھے مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ تلوار بھی اٹھاتے تو اس لیے کہ بغاوت کا رفع کرنا اور ناسراؤں کو سزا دینا ضروریات سے تھا یہ بھلا ہو یا بُرا۔ بُس اس کے سوا اور کوئی فعل وہ ایسا نہ کرتے تھے جو کسی فریختے کے نزدیک مذہب کے خلاف یا اخلاقی خوبیوں کے منافی ہوتا۔ مسلمانوں کا دوسرہ گروہ ان لوگوں کا مجموعہ تھا جو دنیادی لذتوں کو مقدم سمجھتے تھے اور دنیا زور لاتحصل الا بالزدری پر عمل کرنے میں تأمل نہ کرتے تھے۔ یہ گروہ

لہ پر عباسی صاحب کی رائے ہے درہم و صحبت کے فیض سے محرومی کا نقش رسول کے عالم اخفاہی میں دیکھ سے ہیں۔

لہ بلکہ دین کو ہر وقت ملاحظہ اور مقدم رکھنا چاہتے ہیں۔

لہ دنیا سراپا مکہ ہے جو بغیر مثکاری باقہ نہیں گلتی۔

دیکھا دیکھی بڑھتا گی اور مستست نبوی سے الگ ہو کر شام اور عجم کے سلاطین اور ان کے اراکین کا رنگ پکڑتا گیا۔ معاویہ اس گروہ کا سردار تھا۔ اتفاقِ زمان نے اس کو سردار بنادیا، یا یوں کہیے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنے مانی الغیری کے اظہار کا موقع ملا۔“

امیر المؤمنینؑ کی شرعی پابندی کی حد اس درجہ بلند تھی کہ بقول شفیع حضرت ابن عباس اور عقیل بن ابی طالب جیسے لوگ بھی برداشت نہ کر سکے اور آپ کا ساتھ فے سکے۔ امام حسنؑ کی پالیسی بلکہ جیسا کہ بار بار کہا جا چکا ہے کل اہلبیت کی پالیسی ایک اور صرف ایک تھی۔ دلائلِ حظرتؑ ہو دراسۃ اللبیب ص ۹۰۶ بطبع لاہور ۱۴۲۷ھ وہ یہ کہ حکم خدا اور حکم رسولؐ کی پابندی انھیں کے احکام کا اجرا چاہے اس مطلب کے لیے جو برداشت کرنا پڑے۔ مذکورہ بالاحوالات میں امام حسن علیہ السلام کے لیے سوائے صلح کیا چاہرہ ہو سکتا تھا اس کو خود صاحبان عقل سمجھ سکتے ہیں کسی استدلال کی چند اس ضرورت نہیں۔ یہاں پر علامہ ابن اثیر کی یہ عبارت جو اپنی تاریخ کامل میں لکھتے ہیں قابل غور ہے:

”کہا گیا ہے کہ امام حسن نے حکومت معاویہ کو اس لیے پر دکی کہ جب معاویہ نے خلافت حوار کرنے کے متعلق آپ کو خط لکھا اس وقت آپ نے خط پڑھا اور خدا کی حمد و شنا کے بعد فرمایا کہ دیکھو ہم کو شام والوں سے اس لیے نہیں دنیا پڑ رہا ہے کہ (اپنی حقیقت میں) ہم کو کوئی شک یا ندامت ہے بات تو نقطہ رہ ہے کہ ہم اہل شام سے سلامت و صبر کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ مگر اب سلامت میں عداوت اور صبر میں فریاد مخلوط کر دی گئی جب تم لوگ صفين کو جا رہے تھے اس وقت تھا رادین تھا مری ادنیا پر مقدم تھا لیکن اب تم ایسے

ہو گئے ہو کہ آج تمہاری دنیا تمہارے دین پر مقدم ہو گئی ہے۔ اس وقت  
تمہارے دونوں طرف دو قسم کے مقتول ہیں، ایک صفين کے مقتولین جن پر رو  
رسے ہو، دوسرے نہروان کے مقتول جن کے خون کا بدلہ چاہ رہے ہو۔ خلاصہ  
یہ کہ جو باقی ہے وہ ساتھ چھوڑنے والا ہے، اور جو مرد رہا ہے وہ قبدر لینا چاہتا  
ہی ہے۔ خوب سمجھو ل کہ معاویہ نے ہم کو جس امر کی دعوت دیا ہے نہ اس میں ہر ت  
ہے نہ الفاظ۔ لہذا اگر تم لوگ ہوت پر آمادہ ہو تو ہم اس کی دعوت کو رد  
کر دیں اور ہمارا اس کا فیصلہ خدا کے نزدیک بھی تلوار کی بارڈ سے ہو جائے  
اور اگر تم زندگی چاہتے ہو تو جو اس نے لکھا ہے مان لیا جائے اور جو تمہاری  
مرضی ہے دیسا ہو جائے۔ یہ سننا تھا کہ ہر طرف سے لوگوں نے چلانا شروع کیا،  
بتقا، بتقا۔ صلح، صلح ॥

(کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۲)

ناظرین انھات فرمائیں کہ کیا اب بھی امام حسن علیہ السلام کے لیے یہ رائے ہے  
کہ صلح نہ کریں، ان فوجوں کے مل بستے پر (اگر) ایسیں کو فوج یا ان کی قوتوں کو مل بتو  
کہا جائے کے، لڑائی زیبا ہے، ہرگز نہیں!۔ ایسے حالات میں صرف یہی چارہ تھا کہ  
صلح کر کے اپنی اور ان تمام لوگوں کی زندگی کو محفوظ رکھیں جو دینِ رسولؐ کے نام لیوا  
اوہ حقیقی پیر و پابند تھے جن کو حفظ اصول نہایت درجہ عنیز تھا اور جن کی تعداد الگبیوں  
پر گئی جا سکتی تھی بھلے اس کے کہ ان نام نہاد بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں گرفتار  
ہو کر معاویہ کے قیدی بن کر قتل ہو جائیں اور اس طرح وہ تعلیم اور دین جن کے علمبردار  
اہلیت تھے ان شہدا سمیت دفن ہو جائے یا صلح سے کام لیں اور اپنے اور خالص

ایمان داروں کے لیے میدان صاف کر لیں۔ روحاں اذیتیں برداشت کریں، سخت سے سخت اہانت آبیز فقرے، جملے سنیں، خون دل پسیں اور اس لیے زندہ رہیں کہ دینِ رسول جو معاویہ و طرف دارانِ معاویہ کے یہاں ذبح کیا جا رہا تھا زندہ نک جائے اور شائع ہو جائے کہ اصل تعلیم دینِ رسول کیا ہے اور فریبِ معاویہ کا پردہ چاک ہو جائے۔ غیر جانب دار تو غیر جانب دار خود معاویہ اور اُس کے ہمنواؤں پر بھی روشن ہو جائے (چاہے وہ خود غرض زبان سے اقرار نہ بھی کریں) کیونکہ اسلام کیا لے کر آئے تھے اور وہ کس قول و عمل کے خواہاں تھے اور اس تعلیم کا حافظ احتجاظ عالم اور عامل کون اور کہ صرہ ہے اور اس کا مقابلہ کون اور کہ صرہ ہے۔ زمانہ صحیح اتنا کہ لیا جائے کہ اس آواز کو اتنی دور تک اور اس انداز سے تھکم کر لیا جائے کہ آئینہ اگر معاویہ سے بڑھ کر بھی کوئی اسلام کو فنا کرنے کے لیے کھیل کھیلے اور علی الاعلان دینِ رسول کو صفوہ اہستی سے مٹانے میں نہیں ہو جائے تب بھی اس کے بس سے یہ امر پاہر رہ جائے اور اس کا خواب شرمندہ تحریر نہ ہو سکے۔ یوں ایمان خالص اور وہ تعلیم رسول جس کے قائل و عامل اہلیت ہیں اس کے پابندوں کی ایسی تعداد پیدا ہو جائے جسے لے کر اگر کوئی صاحبِ ایمان، مخالفین کے سامنے کھڑا ہو جائے تو مرتبے دم تک وہ اپنے واجب الاطاعت اور صاحبِ ایمان سردار کا ساتھ نہ چھوڑے بلکہ پروانہ وار خود جل سرے مگر اپنی زندگی تک اس شع ایمان کو گل نہ ہونے دے۔

امام حسن علیہ السلام کے پیش نظر یہ مقصد را بر تھا کہ آنے والے ذبح عظیم کو کامیابی کے مواد دیے جائیں چاہے اس کے واسطے موت سے بدتر روحاں اذیتیں سہن پاڑیں۔ لیکن یہ مقصد امام حسن کے اس طرح جان دے دینے میں جو معاویہ سے

صلح نہ کر کے ہوئی ہرگز حاصل نہ ہوتا۔ امیر المؤمنین کی شہادت کے بعد اور ان لوگوں کی ظاہرًا بیعت کا مقتضی تھا کہ آپ بھی بیعت نہ کرنے والوں یا خلیفہ برحق سے جنگ اور مخالفت کرنے والوں پر فوج کشی کریں، وہ کی گئی۔ لیکن جو کچھ اس فوج نے کر دکھایا وہ ظاہر ہے جس کا بیان اور گذرا۔ اب امام حسن کے لیے دو ہی ہتھیں ممکن نظر آتی ہیں یا صلح کرنا یا بے یار و مددگار جنگ کو جاری رکھنا، اور پھر جس حضرت سے ہو جائیں بحق ہو جانا۔ جن لوگوں نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور امام حسن کی صلح کا صرف سرسری نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ دھوکے میں ہیں۔ اور امام حسن اور امام حسین اور اور ان کے دونوں مخالف معاویہ و زید۔ پھر دونوں کے وقایہ درحالات میں امتیاز بغیر فیصلہ کر دیتے ہیں کہ امام حسن کو بھی وہی کرنا چاہیے تھا جو امام حسین نے کیا۔ حالانکہ ایک شہزادہ نے اپنے وقت اور حالات میں جو کچھ کیا یقیناً دوسرے شہزادے بھی وہی کرتا اگر اس کے وقت و حالات دیے ہی ہوتے جیسے ایک کے تھے۔ اگر حسین کی فوج کے سرداروں میں اشاعت ایسے لوگ ہوتے اور آپ کو بھی معاویہ جیسے شخص سے لڑانا پڑتا جو غار کو قتل بھی کرتا پھر اس سے دامن کشی بھی جو جنین عدی کو قتل بھی کرتا، پھر ناز جنازہ و تجهیز و تکفین بھی تو امام حسین بھی ایسا ہی کرتے جو حسن نے کیا بلکہ امام حسین نے ب مقابلہ معاویہ وہی کیا جو حسن نے کیا۔ دیکھو واقعات نہ ہتھیں جب امام حسین زندہ تھے اور معاویہ کا دور تھا، اور اگر امام حسن کو بھی وہ انصار ملنے جنپیں ہر ہر طرح ساتھ پھوڑنے کا موقع دیا گیا۔ مگر انہوں نے حسین کے قدموں پر فدا ہونے کو دنیا و آخرت کی تمام لذتوں سے زیادہ لذید سمجھا۔ جیب وسلم جیسے جان شار دستیاب ہو گئے ہوتے اور آپ کو بھی زید سے لڑنا

پڑتا جو بیعت یا قتل کے سوا کسی دوسرے امر کو جائز نہ رکھتا جو مسلمان مقتولین  
کے دفن کی اجازت نہ دیتا جو،

لعيت هاشم بالملک فلا  
ملک جاءه ولا وحي نزل له

کاملا نیز قائل ہوتا تو امام حسن بھی وہی کرتے جو امام حسین علیہ السلام نے کیا۔  
اب ہم امام حسن کی صلح کے متعلق بعض اہلسنت کی کتابوں کی عبارتیں نقل  
کرتے ہیں، پھر ان شا رالشہر تیج پر بحث کریں گے۔

شیخ محمد صیان اپنی کتاب اسحاف الراغین مطبوع مصر بر جا شیر نور الابصار  
ص ۲۴۷، مطبع دار الحیاء للتبغ العربیہ ۱۳۹۵ھ پر لکھتے ہیں:

”حسن بصری کی جو روایت بخاری میں ہے وہ یہ ہے کہ امام حسن  
نے معادیہ کے مقابلہ میں پھاڑ کی طرح فوج لاکھڑی کی۔ اس وقت عمرو  
 العاص نے معادیہ سے کہا کہ میں ایسا شکر دیکھ رہا ہوں جب تک اس کے  
سب سرگردوں قتل نہ ہو جائیں ٹھیٹے والی نہیں۔ تب معادیہ نے جو خدا کی  
قسم ان دونوں میں سے بہتر آدمی تھا کہا کہ اسے عمرو! اگر ان لوگوں نے  
ان کو اور ان لوگوں نے ان کو قتل کر ڈالا تو پھر میں مسلمانوں کا انتقام  
کرن کے ذریعہ کروں گا، ان کے رشتہ داروں اور ان کے اموال کا  
نظم و نظم کرن سے کراوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے قریش کے قبلہ بنی عبد شمس

لہ آئی ہاشم (یعنی بنی کریم)، نے ملک گیری کا کھیل کھیلا، نہ کوئی فرشتہ آیا زان پر وحی ہوئی۔

کے دو آدمی یعنی عبد الرحمن بن سمرة اور عبد الرحمن بن حامر کو امام حسن کے پاس بھیجا اور کہا کہ تم دونوں اس شخص (امام حسن) کے پاس جاؤ اور صلح پیش کرو، ان سے ہنسنا اور ان سے اس کی خواہش کر دیے۔ یہ دونوں آپ کے پاس آئے، باتیں کیں اور یہ کہا کہ معاویہ آپ کے سامنے یہ یہ باتیں پیش کرتا ہے اور آپ سے یہ چاہتا ہے اور اس کا یہ سوال ہے۔ امام نے کہا کہ میرے پاس اس کا ضامن کون ہے؟۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم اس کے ضامن ہیں۔ اب امام حسن ان دونوں سے جو جو مطالبہ کرتے گئے یہ دونوں اُس کا ذمہ لیتے گئے۔ اس طرح امام حسن نے معاویہ سے صلح کی۔

اس عبارت کے چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

”دولابی نے روایت کی ہے کہ امام حسن (علیہ السلام) نے فرمایا کہ عرب کے سر ہمارے قبضہ میں تھے (جب واقعی حق دار ہونے کے ساتھ ساتھ ظاہری بیعت اور خلیفہ سابق کی طرف سے تعین و تخصیص ہو چکی) جس سے ہم صلح کرتے ان کو صلح کرنا پڑتی اور جس سے ہم جنگ کرتے انہیں جنگ کرنا پڑتی لیکن ہم نے خدا کی مرضی کے لیے اور مسلمانوں کی جان بچلنے کے لیے جنگ کو ترک کیا، اپنی حکومت سے ۲۰ ماہ زیس الاول اور قبولِ جادی الاولی میں ترک کی اس پر ان کے اصحاب ان سے یا عارالمؤمنین کہ کر خطاب کرتے، آپ ان کے جواب میں یہ فرماتے کہ العار خير من دخول النار (جسم میں جانے سے عار اختیار کرنا بہتر ہے) اس کے بعد آپ کو ذمہ دینے پلے گئے اور وہیں اقامت فرمائی۔ اس کے بعد یہ برابر ہوتا رہا کہ

دہاں کا حاکم امام حسن اور ان کے والد (علیہما السلام) کو بر سر منبر اور درستے حالات میں بھی سب دشمن کرتا رہا، اور آپ کو ایسی ایذاء دیتا رہا جس کی اذیت سے موت کی اذیت کم ہے۔ لیکن آپ نے محض خدا کی خوشنودی کے لیے صبر فرمایا اور چونکہ آپ نے حکومت (یا خلافت ظاہری) محض خدا کی خوشنودی کے لیے رُک کی۔ لہذا اندازہ عالم نے آپ کو آپ کے اہلیت کو اس کے عوض میں خلافت باطنی عطا فرمائی۔ یہاں تک کہ ایک قوم تو اس کی تائل ہے کہ اہلیت کے سوا کبھی قطب الادبیار کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

- یہ دونوں عبارتیں بعینہا صواب اععق مجرّة ص ۱۸ مطبوعہ شیخیۃ مصر و رہبھی موجود ہیں۔ ان دونوں عبارتوں سے امور ذیل واضح طور پر ثابت ہیں:
- ۱۔ صلح کی گفتگو کا پیغام امام حسن کے پاس معاویہ نے بھیجا، امام حسن نے ابتداء نہیں فرمائی۔
  - ۲۔ امام حسن نے صلح قبول کرنے کے لیے دونوں گنے والے ایلچیوں سے عہد و میثاق لیا۔
  - ۳۔ صلح کے بعد جو اذیت آپ کو دی جاتی رہی اس سے موت کی اذیت کم تھی۔
  - ۴۔ اذیت دینے والا امیر معاویہ کی طرف کا حاکم تھا، اور یہ واقعات خاص امام حسن کے نانا رسول اللہ کے مدینہ میں اور ان لوگوں کے ماننے ہوتے تھے جو دہاں کے باشندے تھے۔

۵۔ شرائط صلح میں جیسا کہ ذکر ہو گا سب نہ کرنا بھی تھا، مگر اس کی کھلمنگ کھلا مخالفت کی گئی۔

۶۔ جو لوگ امام حنفی کے اصحاب ہلاتے تھے ان کو امام حنفی کے فعل پر اتنا بھی اعتقاد نہ تھا بتنا عام دوستوں کے فعل پر عام احباب کا ہوتا ہے ورنہ وہ عارفین نہ کہتے اور ان کو اتنی بھی محبت نہ تھی کہ کم از کم ان کے منہ پر ان کے فعل کی ثابت رکھتے اور باوجود امام حنفی کے سمجھانے کے اپنی اس حرکت کو بر ارجحیت رکھتے، اور دوسرے لوگ بھی اس کو نہ لٹکتے اور باوجود فوج کی نالائقی بلکہ فوج کے اصرار پر صلح کی گئی پھر بھی عارفون میں کہا۔

۷۔ معاویہ نے بیان کیا کہ اتنے مسلمانوں کے مرنس سے اس درجہ ابتری پھیلے گی کہ مسلمانوں کے امور ناموس اور جائدادوں کی خبر گیری کرنے والے تک نہ رہیں گے۔

۸۔ شرائط صلح کی ایسی مخالفت کے باوجود بھی اکثر مسلمانوں نے معاویہ کا ساتھ نہ چھوڑا زمیندار سے جنگ کی نہ اس کو نااہل کہا۔

۹۔ امام حنفی علی السلام جنگ کرنے کو (علی المخصوص مخصوص لوگوں کے مزعمہ عارف سے پختنے کے لیے) اس وقت اس درجہ بدتر سمجھتے تھے کہ گیا جنگ کرنا خود کشی تھی (جس کی سزا میں نار کا وعدہ ہے) ورنہ العارض من دخول النار کا کوئی مطلب نہیں۔ یہ تو شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ امام حنفی معاویہ کو حق پر سمجھتے تھے اس لیے اس سے لڑنا معاذ اللہ نار کا سبب تھا اس لیے کہ امام حنفی نے قبل و بعد وقت صلح معاویہ کا باطل پر ہونا خوب اچھی طرح واضح کر دیا تھا، ورنہ فوج کشی

چہ معنی دارد۔ اور دوسری طرف تمام اہل اسلام کا اجماع کہ امام حسنؑ بعد امیر المؤمنینؑ خواہ پر بیعت خواہ بہ وصیت امام اور خلیفہ ہو چکے تھے۔

۱۰۔ امام حسنؑ اور معاویہ میں مصالحت ہوئی۔ اور صلح کرنے کا مطلب طرف مقابل کی ہمیشہ حقیقت تو ہو ہی نہیں سکتی، ورنہ رسولؐ کی صلح حدیبیہ پر عاذ اللہ حرف آتا ہے۔ بہر حال لفظ صالح قابل فراموشی نہیں ہو سکتی اگر امام برحق مجھ کر بیعت ہوتی تو ہبود مواثیق یہ کرنا ہو گا یہ نہ کرنا ہو گا وغیرہ۔ یعنی چہ خلاصہ یہ کہ صلح تھی اس کو بیعت امامت سمجھنا غلط ہے۔

۱۱۔ صلح کی مصالحت جو امام حسنؑ نے ظاہر کی ہے وہ روئے ہے، خدا کی خشنودی اور مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت۔ گویا صلح نہ کرنا اس وقت ایسا تھا کہ ایک تو خدا ناراض ہوتا۔ دوسرے صرف آپ کا خون بپس کرنے رہ جاتا بلکہ مسلمین دکون کون کون کیسے کیسے یہ بھمل ہے، کاخون بیٹھ بہتا جس کو بچانا اہم تھا۔

۱۲۔ امام حسنؑ کا یہ فعل خدا کو اتنا پسند ہوا کہ انعام میں قطب اولیا ہمیشہ کے لیے اہلیت میں سے معین ہو گی، اور بقول علامہ ابن ابی الحمدید مرتبہ ولایت، مرتبتہ خلافت سے کہیں بلند ہے۔ اس آخری نتیجہ سے اس کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو چیز معاویہ کے حوالہ تھی وہ کیا اور کس حقیقت کی تھی اور امام حسنؑ کے پاس اس چیز کے چلنے پر بھی جو چیز رہی اور آپ کے خاندان کی غلام بن کر رہی۔ وہ کیا۔ اور گتنی قیمتی تھی۔ اور وہ قابل نزاع و تحویل ہو بھی سکتی تھی یا نہیں۔ یعنی باطنی خلافت اور قطب الاولیاء کی منزلت۔

اسعاف الراغبین کی عبارت کے بعد اب ہم امام حسنؑ کی صالح اور مفصل شرائط

صلح کے لیے دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جو متفقی کتابوں میں متفرق طور پر ملتے ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

۱۔ معادی مسلمانوں پر بموجب کتاب اللہ اور سیرت خلفاء رضا الحین کے حکومت کرے گا۔

۲۔ بیت المال کو فیں جو پہچاس لاکھ درہم ہیں وہ امام حسن کو دیے جائیں تاکہ وہ اپنا قرضہ ادا کریں۔

۳۔ فداد اور ردار الجزو کا خراج امام حسن کو ملتا رہے گا کہ اہلیت کے صرف میں آتا رہے۔

۴۔ اب سے حضرت علیؑ کو سب و شتم نہ کیا جائے گا۔

۵۔ معادی کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ اپنا کوئی ولی عہد مقرر کرے بلکہ شوریٰ کے رو سے اس کے بعد مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو گا اور ہر روایت اولکی حیاة الحیوان طبیعی ابن قیتبہ اور عاصم کو فی یہ شرط اس طرح تھی کہ معادی کے بعد امام حسن خلیفہ ہوں گے اور اگر ان کا انتقال ہو جائے تو امام حسن۔

۶۔ زمین خدا پر شام، مصر، عراق، ججاز، یمن وغیرہ میں سب جگہ لوگ جان و مال سے امن و امان میں رہیں گے۔

۷۔ اصحاب علیؑ اور شیعیان علیؑ کی جان و مال، عورتیں اور اولاد، سب مامون و محفوظ رہیں گے۔

۸۔ حسن بن علیؑ اور ان کے بھائی حسینؑ اور اہلیت میں سے کسی شخص کے حق میں کہیں خفیہ یا علانیہ معادیہ تعریض یا بدی نہیں کرے گا۔ سب محفوظ رہیں گے۔

اُنھیں کسی طرح کا خوف نہیں دلایا جائے سگا۔

۹۔ معاویہ اس عہد نامہ پر خدا سے عہد میثاق کرے اور اُسے پو رکرے۔  
(صواتی محرقة و بحیب السیر، تاریخ اسلام ص ۲۷ جلد اول)

تاریخیں علی التعموم اذان دے رہی ہیں کہ امام حسنؑ کی فوج میں نفاق کا بازار گرم تھا۔ اور ذکر کر ہو چکا کہ فوج میں ایسے رشوت خوار اور نمک حرام بھی تھے جو امام حسنؑ کو کپڑا کر معاویہ کے حوالہ کر دینا چاہتے تھے، روضۃ الصفا ج ۳ ص ۲۴۵ میں لجھے از شکریان کے مذہب خوار ج داشتند کی تصریح ہے۔ پھر ایسی فوج کو لے کر جنگ کرنا مقتضائے داشتندی ہے یا صلح کر لینا۔ (اور صلح بھی وہ جس میں شیعی تعلیمات میں ہوں) کی پوری پوری حد بندری اور استھناظ کا انتظام کر لیا گیا ہو اور جانب مخالف کی بد دینی اور کتاب و سُنت کی خلاف ورزی کا راز بھی مشکلف ہو رہا ہو) یہ امر گئی صاحب عقل سے تو پوشیدہ نہیں ہو سکتا۔ رہی زمی خند تو اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب ہم کسی عاقل کے لیے بے سمجھے بوجھے جان دینے کو اچھا نہیں کہہ سکتے ہیں تو امام حسنؑ کے لیے کیسے تجویز کر سکتے ہیں۔ ابن خلدون کا ترجمہ جلد چہارم ص ۶۰۰ ملاحظہ ہے:

”شور و غل فرو ہونے کے بعد امام حسنؑ نے لوگوں کی خود رائی اور نفاق کی وجہ سے ایسی معاویہ کو لکھ دیجیا کہ میں اخلاف و حکومت سے دست کش ہوا چاہتا ہوں۔“

جو لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ جس طرح امام حسینؑ لڑ گئے امام حسنؑ کیوں نہیں لڑ گئے، وہ آنھیں کھوں کر دیکھیں دونوں شہزادوں کے اصحاب و انصار میں جن کو لے کر لڑائی کی جاتی ہے زمین و آسمان سے بھی تو زیادہ کافرق ہے۔ کیا مخفی ہے

کو مظلوم کر بلانے اپنے اصحاب کے حق میں انی لا اعلم اصحابا اوی ولا خیرا من اصحابی فرمایا ہے اور دنیا کی زبانیں حسینی تاغلہ کی وفاداری کی شناخوانی میں تنقیت لطف انداز ہیں، اور حسن کے ساتھ کہلانے والے نفاق، نداری، نک جرامی، بیوفائی میں ضرب المثل۔ پھر دونوں کی تخلیق کو متعدد کہنا عقل و انصاف کی گردن کو گند چھڑی سے رینا نہیں تو اور کیا ہے۔ صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ چوں آجنا۔ (امام حسن) جُن وضفت اصحاب مشاہدہ نمودہ۔ بھلا خاکم بدہن، حسین و الوں میں کسی کی طرف کوئی ایسی بات منسوب ہو سکتی ہے؟ العیاذ باللہ۔ ان حالات میں اگر امام حسن اڑتے ہی رہتے تو درشنس کے حوالے کر دیے جاتے تو یا آپ کو تباہ چھوڑ کر فوج بھاگ گئی ہوتی، تو ایسی صورت میں بحیثیت جزل آپ کو کیا کہتے۔ افسر فوج کا سلیقہ تو اسی میں معلوم ہوتا ہے کہ فوج کی لیاقت کا اندازہ کر کے اقسام کرے اور اصل مقصد میں کامیاب رہے، جب بچھے لکھے حالات جو اس وقت ارتکب میں رہ گئے ہیں فوجیوں کی شجاعت ووفا کا کچھا چھٹا گھول رہے ہیں تو جس کی آنکھوں کے سامنے واقعات گذر رہے تھے وہ کیا پچھنڈ دیکھ رہا ہو گا۔

جب خود غرض انان کی خواہش کے خلاف کوئی بات ہوتی ہے تو پھر اس کے عقلی جواز و استحسان سے قطعاً آنکھیں بند کر کے نئی نئی ٹھونچیں نکالا کر لیتے ہے چنانچہ صلح حسن کے متعلق بھی یہ فیصلہ زیر بحث ہو گیا ہے کہ صلح کی گفتگو شروع کدھر سے ہوئی۔ اس پر بحث کرنے سے چند افائدہ نہیں۔ اگر اس صلح کو صحیح ان لیا جائے

لہیں اپنے اصحاب سے بڑھ کر وفادار اور بہتر کسی کے اصحاب کو نہیں سمجھتا اور جانتا۔

اور اگر صلح غلط ہو تو چلے کے کوئی ابتدا کرنے نتیجہ پر کیا اثر پڑتا ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ بھی عرض گفتگو میں آگیا ہے۔

علامہ صبان کی منقولہ بالاعبارت سے جو مختاری سے نقل کی گئی ہے ثابت ہے کہ مصالحت کا پیغام یہ ہے معاویہ نے بھیجا تھا۔ این خلدون کی عبارت سے صاف پتہ نہیں چلتا کہ معاویہ نے لکھ بھیجا تو ابتداءً تھا یا جو آبا۔ لیکن سیاق سے ظاہر ہے کہ ابتداؤ ہو۔ علامہ صبان نے تصریح کر دی ہے کہ دونوں قوتوں میں جمع اس طرح ممکن ہے کہ ابتداء معاویہ کی طرف سے ہو پھر امام حسنؑ نے لکھا ہو۔ ترجمہ این خلدون ج ۲۳ ص ۷۰ پر یہ عبارت واضح دلیل ہے کہ ابتداء معاویہ کی طرف سے ہوئی تھی۔

آپ نے اہل عراق کو مجتمع کو کے خطبہ دیا جس میں بعد حمد و درود کے بیان فرمایا، یا اهل العراق سخنی نفسی عنکمر ثلاث، قتل ابی و طعنی و اشہاب بیتی۔ پھر فرمایا الا وقد اصحت مریبین قتيلین قتيل بصفين تبکون له و قتيل بالنهروان تطلبون بشاره و اما الباقي فخاذل و اما الباقي فثارروا ان معاویۃ دعانا ابی امرليس فيه عز و نصفة فان اردتم الموت ردنا ها علیه و حملنا ها الی اللہ بظبا السیوف و ان اردتم الحیوة قبلنا و اخذنا لكم الرضاۓ“ لوگوں نے یہ سن کر ہر طرف سے چلا کر

---

اہل عراق والوادیین با توں نسبتے اس صلح کی قربانی پر مجبور کیا، ایک پدر بزرگوار کی شہادت دوسرے نشانہ طعن بننے اور گھر کے لئے پر۔

۳۔ اس وقت تمہارے دونوں طرف دو قسم کے مقتول ہیں، ایک صفين کے مقتول جن کے (باتی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہا صلح قائم رکھئے، صلح قائم رکھئے۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ:

۱۔ امیر معاویہ نے صلح کا پیغام دیا۔

۲۔ امام حسنؑ اس صلح کو انصاف اور عزت نہیں مانتے تھے صرف الفروۃ۔

تبیح المحتظرات کی حد تھی۔

۳۔ امام حسنؑ نے فوج سے شورہ کیا اور اپنے ارادہ جنگ کی تصریح کی۔

۴۔ فوج لڑنے پر آمادہ نہ تھی۔

۵۔ جب قوم نے صلح کی چیز پکار کی تب آپؐ کو صلح قبول کرنا پڑی۔

تاریخِ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۶۲ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ، پہلے خط معاویہؓ نے رواز کیا تھا۔ ابن اثیر کی عبارت کا مطلب ہے کہ جب معاویہؓ کے پاس امام حسنؑ کا خط پہنچا تو اُسے روک رکھا۔ اس سے قبل عبد اللہ وغیرہ

### (بقیہ حاشیہ صفحہ گز مشتمل)

رو رہے ہو، دوسرے نہزادیں جن کے خون کا بد لچاہ رہے ہو۔ خلاصہ یہ کہ جو باقی ہے وہ ساتھ چھوڑ رہا ہے، اور جو رہا ہے وہ قبول لیا ہی چاہتا ہے۔ خوب سمجھو کو کہ معاویہؓ نے ہم کو جس امر کی دعوت دیا ہے نہ تو اس میں عزت ہے نہ انصاف۔ لہذا اگر تم لوگ ہوتے پر آمادہ ہو تو ہم اس کی دعوت کو رد کر دیں اور ہمارا اس کا فیصلہ خدا کے نزدیک تواریکی باڑھ سے ہو جائے، اور اگر تم زندگی چاہتے ہو تو جو اس نے لکھا ہے مان لیا جائے اور جو تمہاری مرضی ہے دیسا ہو جائے۔

کو معاویہ، حسن علیہ السلام کے پاس روانہ کر چکا تھا۔

بہر حال چاہے کسی طرف سے ابتداء ہوئی ہو، صلح ہوئی اور (جوجغلط فہمی آج اضطراب کا باعث ہے یعنی صلح کا مطلب یہ کہ معاذ اللہ امام حسن نے معاویہ کو حتیٰ پرمان لیا یا معاویہ حتیٰ پر ہو گیا) امام حسن نے اس اشتباہ کا موقع بالکل باقی نہ رکھا، صلح کے بعد جو خطبہ بیان فرمایا اس میں اس امر کی تصریح کردی کہ معاویہ حتیٰ پر نہیں ہے بلکہ یہ ایک فتنہ ہے۔ اس فتنے سے بچنے اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت کے لیے صلح قبول کی گئی ہے۔

ترجمہ ابن خلدون ج ۲ ص ۸۰۰ م کی عبارت ذیل ملاحظہ ہو۔

امام حسن نے کھڑے ہو کر بعد حمد و درود کے کہا:

”ایہا الناس ان الله هدَاکم بِاولنا وحقن دما شکر“

باخرنا و ان لهذا الامر مدة والدنيا دول والله عزّ

و جلّ يقول لنبیّه و ات ادری لعله فتنتہ لكم و متاع  
الی حین“

جب اس فقرہ پر پہنچے تو امیر معاویہ نے آپ کو بٹھایا۔ کیونکہ انہوں نے ان کے خلاف بیان فرمایا۔

اے لوگو! ہمارے اول سے اللہ تعالیٰ تم کو بدایت سخنی اور آخر سے تھاراخون بھایا جانا بند کیا حکومت کی ایک مرتب ہے اور دنیا چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ اللہ تعالیٰ کریم سے کہا ہے یہ دنیا فتنہ ہے اور مردت معین نہ کا سرمایہ ہے۔

کتاب الامۃ والیاست ج ۱ ص ۳۶ مطبوع فتوح ادبیہ مصر ۱۳۳۷ھ پر  
ہے کہ جب بعد صلح امام حسن علیہ السلام کو لوگوں نے ابھارا اور کہا کہ جب معاویہ نے  
معاہدہ کی پابندی نہیں کرنے کا اعلان کر دیا ہے تو آپ بھی عہد قرڈیں، اس کا  
جواب آپ نے یہ فرمایا:

”جو کچھ تم کہتے ہو میں خوب سمجھتا ہوں۔ لیکن بات یہ ہے کہ اگر  
میں دنیا کی حکومت کے لیے پیش بندی کرتا، دنیا کے لیے کوئی کام کرتا یا  
دنیا میرا نصب المیں ہوتی تو ہرگز معاویہ مجھ سے جنگ میں زیادہ سخت نہ  
ہوتا۔ اور میری رائٹ اور روایہ اس کے خلاف ہوتا جو تم اب دیکھ رہے ہے  
ہو۔ لیکن میں خدا اور تم سب کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میرا مطلب اور کچھ  
نہیں صرف تھماری جان بچاتا ہے تم میں سے رفع خاد کرن لے ہے۔ تو تم  
لوگ خدا سے ڈرو اور قضاۓ الہی پر راضی رہو۔ اپنے امور خدا کے  
حوالہ کر دا اور اپنے گھروں میں بیٹھ جاؤ اور ہاتھ روکے رہو یا شک  
کریا تو نیکو کار دراحت پاجائے یا بد کار سے لوگ امن میں ہو جائیں“

اس عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ صلح سے مقصد خوب ریزی کا رونکنا تھا،  
اگر صلح نہ کرتے تو خون رائیگاں جاتا۔ اس ارشاد کے آخری جملے حصہ صیحت سے  
قابل توجہ ہیں۔ علامہ ابن ابی الحدید معترض نے شرح نجع البلاعہ جلد چہارم ص ۲۶  
مطبوعہ میمینہ مصر پر لکھا ہے:

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر امام حسن کے لیے امکان ہوتا  
تو ضرور جنگ کرتے۔ لیکن جس کا کوئی مددگار نہ ہو اس کے لیے کیا چارہ“

ہے۔ مثل ہے کہ :

کہیں بے بال و پر باز اُڑ سکا ہے ”

محمدین و مورثین کی ان تحریروں سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اعوان والنصار کا فقدان باعثِ التوا نے جنگ ہوا۔ ایسی حالت میں جان بوجھ کر شکست کھانے کو جنگ کرنا کبھی منتفع نہیں ہو سکتا۔ صرف ایک ہی صورت باقی تھی کہ مطلع نظر اور مقصد کو زیادہ سے زیادہ محفوظ کرنے ہوئے صلح کر لی جائے اور قاعدہ اقلِ القبیلین جس پر دنیا کے عقول اکا اتفاق ہے اسی امر کی تائید کرتا ہے۔ مقدمہ میں ظاہر ہی کیا جا چکا ہے کہ صلح سے صرف مقابلی کی حقیقت ثابت نہیں ہوتی۔ امام حسن کے بیانات اس امر میں ایسے واضح ہیں کہ پھر کسی تاویل کی بھی گنجائش نہیں رہتی۔ آپ نے بار بار اعلان فرمادیا ہے کہ حق میرا ہے لیکن معاویہ پرست حضرات نے اس موقع پر معاویہ کی حقیقت ثابت کرنے کی سعی نامشکور کی ہے۔ جس کا ان کو جتنا فقح پہنچتا ہے اس سے زیادہ ان کا نہ ہب داغدار ہو جاتا ہے اور حق یہ ہے کہ مدعیان اسلام میں اگر ایسے لوگ نہ پیدا ہوتے تو الہمیت اور دین رسول کو جتنا صدر مہ پہنچا ہے نہ پہنچتا۔ اصل یہ ہے کہ مسئلہ خلافت و امامت کو کچھ ایسا مجعٰ نقاد و تناقص بنادیا گیا ہے کہ جب ایک طرف سے درست کیا جاتا ہے تو دوسری طرف سے دھچکا پہنچ جاتا ہے اور جب دوسری طرف سے درست کیا جاتا ہے تو کسی اور طرف سے رخنہ نظر کرنے لگتا ہے۔ اصحابی کالن جو مر بایہم راقت دیتھ اہتماد یتھ اور الصحابۃ لئے میرے اصحاب تاروں کے اندر ہیں، جس کسی کی اقتدا کرو ہدایت پاؤ گے۔

کلمہ معدول ہے کہ تو صحابیت کا اسن پرووف (Proof) بنادیا گیا جس سے تمام  
صحابہ ہر قسم کی نکتہ چینی سے بالآخر ہو جاتے ہیں اور کسی کی اقتدار کی جائے باعث بخات  
ہو جائے اور قرآن کی آواز فمن یعمل مشقال ذرۃ خیر ایرہ و من یعمل  
مشقال ذرۃ شر ایرہ اور انسان لفھی خسرا لالا الذین آمنوا و عملوا  
الصلحت ہے بتلاتی ہے کہ اصل معیار بخات و تحسین صرف ایمان و عمل ہے اور کوئی  
معیار اس کے سوانحیں ہو سکتا۔ صحابہ کی جماعت میں ایک دوسرے سے اس درجہ  
خلافت ہے کہ اگر ایک کی اقتدار کی جائے تو کسی اور سے اختلاف بغیر چارہ نہیں اسی کا  
اور اگر دوسرے کا اتباع کی جائے تو کسی اور سے اختلاف بغیر چارہ نہیں اسی کا  
نتیجہ ہے کہ کبھی تو خلافت نری دنیا وی حکومت بن جاتی ہے اور اس کی کل خوبیوں  
کو سلاطین دنیا کے اصول سے لائق تحسین و آفرین قرار دیا جاتا ہے چلہے اس میں  
قرآن و حدیث کی کسی ہی مخالفت ہوتی ہو اور بھی ویسی بن جاتی ہے اور اس کا  
اعتقاد کیے بغیر بخات ندارد کبھی جاتی ہے۔ بھلا کیونکر ممکن ہے کہ خاطی خلفاء رشیش کی  
دلایت و محبت بھی ہو اور اہلبیت مخصوصین کی اطاعت و مودہ بھی، علی بن ابی طالب  
کی جنت بھی مانی جائے اور ظلم و زبردعا نش کی حقیقت بھی، علیؑ کی محبت بھی ہو اور  
معاویہ سے الفت بھی (حالانکہ ایک دوسرے پر لعنت کرتے رہے ہوں) یہ کیونکر

لئے میرے اصحاب تاریخ کے ماندہ میں جس کسی کی اقتدار کو پڑایت پاؤ گے، صحابہ سب کے سب عادل ہیں۔

لئے جو زرہ برابر نیکی کرے گا تسلیکی پائے گا اور جو زرہ برابر رُوانی کرے گا بُرا دیکھے گا۔

لئے یقیناً انسان گھاٹے میں ہے سو اہل ایمان اور نیکو کار کے۔

ہو سکتا ہے کہ امام حسن کی طرف داری بھی کی جائے اور معاویہ کی ہوا خواہی بھی (حالانکہ ایک مقتول اور دوسرا قاتل) یہ کب سمجھیں میں آسکتا ہے کہ یزید بن معاویہ کی خلافت بھی اُرت ہو اور امام حسین علیہ اسلام کی امامت بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ اسی طرح کی بے شمار تفہاد اور ناممکن الاجتماع باتیں لوگوں کو خطاب عشوایں مبتلا ہونے پر مجبور کرتی ہیں۔ خلافت پر بحثیں ہو چکی ہیں اس موقع پر طول دینا مقصود نہیں۔ بہر حال شیعوں کی چیخت اس باب میں واضح اور بالکل غیر مشتبہ ہے یعنی الہبیت اور محض الہبیت تمام معاملات میں حق پر رتھے۔ الہبیت ظاہرین کی غیر مشروط اطاعت و محبت واجب ہے اور ان کے مخالفین و محاربین قطعاً غلطی پر رتھے اور اس بنابراؤ سے نفرت و بیزاری لازمی ہے (دیکھو کتب اسلامیہ)۔ الہبیت اور ان کے مخالفین دونوں کو رسر حق سمجھنے کا گورنگہ ہندرا تمام اہلسنت کی عقائد و کلام کی کتابوں میں پھیلا ہوا ہے چنانچہ ایک طرف تو معاویہ پر یہ کا یہ زور کہ صاحب صواب محقق نے "تطهیر الجنان والمسان عن المحظوظ والثقة بشذب سید نامعاویۃ بن ابی سفیان" نام کی کتاب لکھماری۔ دوسری طرف امام نسائی غریب نے جب منبر و مشق پر فضائل الہبیت بیان کیے اور کسی نے پوچھا کچھ معاویہ کے متعلق بھی ارشاد ہو، امام نسائی نے فرمایا کہ اگر معاویہ سر بر سر ہو جائیں یہی کیا کمر ہے کہ ان کی کوئی فضیلت بیان کی جائے۔ مجھے تو ان کے حق میں سوالے لا اشیع اللہ بطنہ (خداء اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے) اور کوئی حدیث نہیں ملتی۔ جس کے نتیجے میں منبر سے کھینچ کر مدد عیان اسلام و تسنن نے ابی رسوانی سے امام حسان کی مرمت کی کروہ جائی بحق ہو گئے (دیکھو تاریخ ابن خلکان) اور اس پر طڑہ اور طیفہ یہ ہے کہ آج اہلسنت دونوں (ابن حجر اور نسائی) بزرگوں کو امام بھی کہئے جلے جاتے

ہیں۔ مثالیں بہت ہیں کہاں تک بیان کی جائیں۔

اب ہم اس موقع پر مولوی عبید اللہ صاحب سیمل امرتسری کی کتاب ارجح المطاب  
مطبوعہ لاہور نگارخانہ باب چہارم کی عبارت لفظ پر لفظ نقل کرتے ہیں جس سے معاویہ  
کے متعلق رائے قائم کرنے میں سہولت ہو گی۔ یہ تحریر امیر المؤمنین اور معاویہ کی جنگ  
کے متعلق ہے، اسی سے یہ بھی پتہ چلنا آسان ہو جاتا ہے کہ امام حسنؑ کے لیے کیا اجوری تھی  
کہ آپ نے صلح کی جب معاویہ پرسنی کی حد آج یہ ہے کہ صاحب ارجح المطالب کو اس  
کی رو اور اس پر استدلال کرنے کی ضرورت ہے، تو جب معاویہ شاہی رہی ہو گی اس  
وقت کس کی طاقت تھی جو معاویہ کو از سرتاپا بر سر حق نہ کہتا۔ صاحب ارجح المطالب  
لکھتے ہیں :

”جناب امیر کا ناکشین اور قاسطین اور مارقین سے جنگ کرنا۔“

علقمہ اور اسود کہتے ہیں کہ جب ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ فیضین

سے لوٹے تو ہم ان کے ملنے کو گئے۔ ہم نے ان سے کہا اے ابوالیوب!  
بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ پر کرم کیا کہ تھارے گھر میں جناب رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم فروکش ہوئے اور یہ خدا کی مہربانی خاص تھارے  
لیے تھی کہ حضرت کی اونٹی اور لوگوں کے سوا تھارے گھر کے دروازے  
پر بیٹھ گئی، اب آپ کندھ پر شمشیر کھکھ کر تشریف لائے ہیں کہ اس سے لا الہ  
ala ilaha ha bain wa lau کو قتل کریں۔ ابوالیوب انصاری کہنے لگے تھیں جناب  
رسالت مآب صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم نے ہم کو جناب امیر کی معیت میں تین  
گروہوں کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ لوگ ناکشین اور قاسطین

اد را تین ہیں۔ پس ناکشین اہل جمل یعنی ظلم و زبیر درضی اللہ تعالیٰ عنہما، تھے اور قاسطین یہ لوگ ہیں جہاں سے کہ ہم واپس آ رہے ہیں یعنی معاویہ اور عمر بن عاصی اور مارقین اہل طرفا اور نخیلان اور نہروان ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ اب وہ کہاں ہیں؟ لیکن اشارہ اشنان کے ساتھ بھی لڑاکہ ہے۔

### تنبیہہ :

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حناب امیرؐ کو اپنے عہد خلافت میں تین معزکے پیش آئے:

(۱) واقعہ جمل (۲)، واقعہ صفين (۳)، واقعہ نہروان  
واقعہ جمل میں دونوں جانب سے صحابہ کرام تھے۔ اس واقعہ پر گہری نظر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اصحاب جمل یعنی ظلم و زبیر درضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نکث بیعت تو ضرور کیا ہے مگر ان کا منشاء جناب امیرؐ سے نہ زرع خلافت کا تھا اور نہ لڑانے ہی کا ارادہ تھا بلکہ و اتحاد پر غور کرنے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ جنگ میں بھی مباررت ان سے نہیں ہوئی صرف وہ قاتلانِ حناب عثمان کے متندعی تھے جو بخونجانِ جناب امیرؐ کی فوج میں آپھے تھے۔ انہوں نے موقع پا کر دونوں شکروں کو لڑوا دیا۔ مگر جب جناب امیرؐ نے ظلم و زبیر کو ان کی خطا پر متنبیہ کیا تو

لئے ناکشین میں ہونا بھی کے ساتھ لڑنے کا حکم خود رسول فرمے گئے، پھر درضی اللہ کا طرہ سر پر سجانِ اللہ! یہ رسولؐ نے ناکشین کی مذمت کی ہے زکرِ آن کے منشار کی۔

وہ نادم ہو کر فوراً امور کے سے علیحدہ ہو گئے اس لیے ان کی خطافی الاجتہاد سے علماء نے تعبیر کیا ہے۔

۲۔ معرکہ صفين میں تمام مہاجر اور انصارِ جناب امیر کے طرفدار تھے، معاورے چند موائف القلوب صواب امیر معاوری کی طرفداری کرتے تھے۔ واقعات رناظ کرنے سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ امیر معاوری کی منشار اس جنگ سے زرع خلافت کی تھی۔ گوتنمازین ان کے فعل کو کسی لفظ سے تعبیر کریں مگر خطائے منکر ہی کا پلہ بھاری رہتا ہے۔

۳۔ واقعہ نہروان میں کوئی صحابی جناب امیر کے مخالف نہیں ہوا اس لیے اس کی بحث کرنے کی چنان ضرورت نہیں۔ واقعہ جمل کی بحث صفين کے واقعہ کی بحث میں ضمناً درج ہے اس واسطے اب صفين کے اس فعل کی نسبت فصل اول بحث درج کی جاتی ہے:

”ابن عمر کیا کرتے تھے کہ اس امت کے لوگوں میں سے قیامت کے روز بے پہلے خدا کے سامنے علیٰ اور معاوری باہم جھگڑا نہ کیے کہڑے ہوں گے“

(مناقب الصحابة)

لہ اس تاویل کی مکروری واضح ہے مگر کیا کیا جائے کہ سنتیت کا عقیدہ رکھتے ہوئے سوانح اس کے اور کیا کریں، روز واضح ہے کہ علی بن ابی طالب سے جنگ کا حادثہ میں صاف صاف کفر بتا دیا جا چکا ہے۔ اگر امر المؤمنین کی پابندی ہے تو علیٰ کے مقابلہ والوں کو صاف صاف ناحق پر کہنا چاہیے۔ یہ طیف بھی مزید اور ہے کہ امیر معاوری کی منشار تو خلافت لینا تھی اور طلودزیر کی منشار اباد جو تفریغ امیر المؤمنین زرع خلافت نہ ماننا کیا خوب فیصلہ ہے۔

تمہیہ :

یہ امر واضح ہے کہ جناب رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف اعلیٰ مدارج تعلیم اور کثرت ثواب کا مجوزاً اور تزاید حنات کا موجب ہے۔ کوئی شرف خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اس کی حد تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن ہم الہمنت فی الجماعت کے زدیک انبیاء کرام علیہ السلام کے سوا کوئی صاحب خواہ کتنا ہی جلیل القدر کیوں نہ ہوں مخصوص نہیں۔ البتہ وہ عظیم الشان اصحاب کبار جن کے فضائل میں قب متواریات کی حد تک پہنچ چکے ہیں، محفوظ عن الخطاء سمجھے جاتے ہیں اور ان بزرگوں کی شان میں صدور معصیت کا مگان کرنا سار مرظن فاسد ہے ہے۔

اس امر کے متین کرنے میں کوہ افضل صحابہ کون ہیں اور کتنے ہیں جن کے فضائل تو اتر کی حد تک پہنچ گئے ہیں۔ علماً کرام نے نہایت وقت نظر صرف گر کے یہ تیقین نکالی ہے کہ جو بزرگوار صلح حدیثیت ک اسلام سے مشرف ہوئے ہیں وہ ہر طرح سے افضل اور اعلیٰ ہیں اس کے بعد پھر کوئی ایسا شہد نہیں جو معيار فضل بھما جائے کیونکہ بعد میں اکثر منافق بھی شریک اسلام ہو گئے تھے چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث

لہ جب تک ایمان اور عمل صالح کی شرط نہ ہو صحبت بھائی شرف ہونے کے منافیت اور روایاں ہو گی۔  
۲۔ اسند لال سے کچھ داسطہ نہیں صرف دعویٰ ہے۔ آیت تطہیر جن لوگوں کے حق میں ہے اس عصمت و افسوس ہے فضائل و مناقب کی کثرت سے غلط کام منافقین ہرگز محفوظ عن الخطاء نہیں ہو سکتے۔  
3۔ہم بظاہر ان سب کو آپ محفوظ عن الخطاء کہنا چاہتے ہیں لیکن ان میں منافقین کی تعداد کافی وجود تھی۔ محفوظاً ہونا تو کجا۔

وہ بلوی اپنے رسالہ الجلیل میں لکھتے ہیں (در میان صحابہ بیعت تقدم را بمحبوب) لا یستوی منکر من انفق قبل الفتح وقاتل اعظم در جتنی الذین انفقوا من بعد وفات لوا اعتبار باید کرد زیرا کہ ہر قدر تقدم و سبق بیشتر وقت احتیاج اسلام و تقویت آئی بیشتر چنانچہ حدیث صدقۃ و قدکتم کذبت دلالت بر آن دارد پس بایس اعتبار کا نیک قبل از ہجرت باعمال اسلام قیام نمودہ اند افضل باشند از من بعد خود شل ابو بکر و عمر و عثمان و علی و حمزہ و جعفر و عثمان بن مظعون و طلحہ و زیر و مصعب بن عمیر و عبد الرحمن بن عوف و عبد اللہ بن مسعود و سعید بن زید و زید بن حارثہ و البریعیہ و بلال و سعد و عمار بن یاسر و ابو سلمہ بن عبد الاسد و عبد اللہ بن جحش وغیرہم من نظائرہم بعد ازاں اہل العقبہ یا اہل بدر بعد بازازان مشاہد احادیث ائمہ ذویت بعلج حدیبیہ رسید زیرا کہ ازال سکینہ و صفائی قلوب ایشان نصوص بعض قرآنی است۔ اما بعد ازاں پس بالقطع یہی مسجدے نیست کہ مدارفیل بر آں بوہ باشد زیرا کہ دریں مشہد جماعت منافقین بوزیر قول تعالیٰ و من حولکم من الاعراب منافقون ومن اهل المدینۃ مردو اعلى النفاق۔

چہاں تک نصوص قرآنی کو دیکھا جاتا ہے تو وہ بھی انھیں بزرگوں کی علویشان کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ علامہ ابن عبد البر استیعاب فی معرفۃ الصحابة میں لکھتے ہیں، قال اللہ تبارک و تعالیٰ حمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحیماء بینہم قریحہم رُکعاً سجداً ای بتغوت فضلاً من اللہ ورضوانا اللہ۔ فهذا صفة من بدرا لتصدیقہ والایمان به وارده لفڑہ و تنسق به و صحیبہ ولیس کذالک جمیع من رأہ ولا جیع من آمن

وَسْتَرِي مِنْ لَهُمْ مِنَ الدِّينِ وَالْأَيْمَاتِ وَفَضَائِلِ ذُوِّ الْفَضْلِ التَّقْدِيمِ مِنْهُمْ  
 فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَفْضَلُ بَعْضِ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ وَكَذَا اللَّهُ أَعْلَمُ بِالْمُسْلِمِينَ قَالَ  
 اللَّهُ تَبارَكَ وَتَعَالَى السَّابِقُونَ الْأَدْلُونَ مِنَ الْمَهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ  
 اتَّبَعُوهُمْ بِالْحَسَنَاتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضِيَ عَنْهُمْ "يُعْنِي پروردگار تعالیٰ شانہ  
 فرماتا ہے محمدؐ انہ کا رسول ہے، اور جو اس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں، کافروں  
 پر زرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدے میں ڈھونڈھتے ہیں اللہ  
 کا افضل اور اس کی خوشی، نشانی ان کے منہ پر ہے سجدہ کے اثر سے، یہ کہاوت ہے  
 ان کی توریت میں، اور یہ کہاوت ہے ان کی انجیل میں۔ پس جن لوگوں نے حضرت  
 کی تصدیق کی اور مد میں مباررت کی ہے اور آپ کی صحبت میں رہے ان کی  
 یہ صفت ہے جس کو خدا نے اپے کلام پاک میں بیان فرمایا ہے اور ہر ایک شخص  
 کو جس نے حضرت کو دیکھا ہے ایسا نہیں ہے اور نہ ہر ایک شخص ایمان لایا ہے  
 ایسا ہو سکتا ہے، عنقریب ہے کہ دین وایمان میں قوان کے درجوں کو دیکھے گا  
 اور صاحبان فضل کی فضیلتیں اور ان کے تقدیم کو شناخت کرے گا، پس خدا تعالیٰ  
 نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اسی طرح سے تمام مسلمانوں کو ایک  
 دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ قدیم میں پہلے  
 وطن چھوڑنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیچے آئے نیکی سے اللہ  
 ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔"

اس آیت کی تفسیر میں علامہ موصوف ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں  
**السابقون الادلون من المهاجرين والأنصار هم الذين صلوا**

القبلتين یعنی سابقون الاولون سے وہ لوگ مراد ہیں جن لوگوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے۔ اور شعبی سے روایت ہے الذین بایعوا بیعة الرضوان یعنی سابقون الاولون سے وہ لوگ مراد ہیں جو بیعت الرضوان سے مشرف ہوئے اور ان کی تعداد کی نسبت علامہ ابن البر کہتے ہیں عن سالم بن ابی الجعده قال سالت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ من اصحاب الشجرة قال کنا الفا و خمس مائة یعنی سالم بن ابی الجعده کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اصحاب شجرہ کی تعداد کی نسبت پوچھا، وہ فرمائے لیکن ہم پندرہ سو آدمی تھے۔

دوسری روایت میں ہے: عن عمرو قال سمعت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ یقول کنا الفا واربع مائة فقال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتما اليوم خیار اهل الارض۔ یعنی عمر و روایت کرتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبد اللہ سے سُنًا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم صاحب خوبی کے روز چودہ سو آدمی تھے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ رواہہ وسلم نے ہم سے ارشاد فرمایا کہ تم آج کے دن تمام زمین کے باشندوں سے بہتر ہو۔ گو بنظاہر ان دونوں حیرشوں میں تعداد کی نسبت فرق ہے، لیکن کہا جاسکتا ہے کہ چودہ سو سے کم اور پندرہ سو سے زیادہ اس وقت صحابی نہیں تھے۔ پس جو اصحاب کیا کہ ان معاشرہ میں حاضر ہوئے ہیں وہ بے شرط قطعی اور افضل صحابہ ہیں۔ علامہ ابن عبد البر استیعاب میں لکھتے ہیں: قال ابو عمر و قال اللہ تعالیٰ رضی اللہ عنہ من المؤمنین اذیبا یعنیك تحت الشجرة ومن رضی اللہ عنہ لم یسخط عليه

ابدًا انشاء اللہ تعالیٰ۔ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لمن سأله  
 النار أحد شهد بدرًا والحمد لله - يعني الأربع و كہتے ہیں کہ پروردگار عالم  
 جل جلاله افرماتا ہے، خدا راضی ہو مونوں سے جب کہ انھوں نے درخت کے نیچے  
 بجھے سے بیعت کی اور جس سے کہ خدا راضی ہوا اس پر کبھی نار ارض نہیں ہو گا انشا اللہ  
 تعالیٰ۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر گز وہ شخص و منزخ  
 میں نہیں ڈالا جائے گا جو بدر اور حدیبیہ میں حاضر ہوا ہے غرضیکہ یہ خصائص ان بزرگوں  
 کے ہیں جو صلح حدیبیہ تک مشرف پر اسلام ہوئے ہیں اگرچہ بعد میں بھی جو صحابہ  
 کو مشرف پر اسلام ہوئے ہیں ان کے فضائل و مناقب بھی حصر میں نہیں آ سکتے۔  
 خاص کر جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شرف اور صحبت کا ثواب  
 ایسا ہے کہ جس کے سامنے سب خوبیاں گردیں۔ تباہم با وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ  
 وسلم کے شرف صحبت کے کل صحابہ کا محفوظ عن الخطا و سمجھنا بدیہیات اور معتقدات  
 سلف صالحین کے برخلاف ہے۔

علام سعد الدین تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں، اذلیں کل صحابی  
 معصوم و کل من رای النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالخير موسوماً یعنی جب کہ کل صحابی  
 معصوم نہیں اور نہ ہر ایک شخص کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے نیکی کا انشان  
 رکھنے والا ہے۔

مسطح بن اثاثہ کا جناب اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ کے قذف میں شریک ہونا  
 اور عاطب بن ابی بلقر کا آنحضرت کے راز کو افشا کرنا اور کفار کو کی طرف پوشیدہ خط  
 لکھ کر روانہ کرنا ولید بن عقبہ بن ابی میعیط کا شرب خمر کرنا اور ایک صحابی کا غزوہ خیر

میں خود کشی کرنا اور ایک صحابی کا زنا کرنا اور ایک صحابی کامنعِ زکوٰۃ کرنا اور بعض عرب کے قبائل کا آنحضرت کی رحلت کے بعد مرتضی ہو جانا، جن کی تنبیہ کے لیے حضرت ابو بکر صدیق نے شکر کشی فرمائی، ایسے واقعات ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کل صحابہ محفوظ عن الخطاء نہیں تھے اور ان امور کا بعض صحابہ سے سرزد ہونا محفوظ عن الخطاء ہونے کے متناقض ہے۔

جب بعض صحابہ کا یہ حال ہے تو پھر کون سی ایسی وجہ لاحق ہے کہ جس کی وجہ سے ہم امیر معاویہ کو خلیفہ برحق پر بغاوت کرنے میں مذکور یا مختلطی ماجور تصور کریں اور ان کے اس فعل کو میسیت قرار دینے میں کون سی تباہت لازم آتی ہے۔  
 (تبصہ) : امیر معاویہ ناضل صحابہ میں سے شارہ نہیں کیے جلتے وہ ہجرت میں شریک ہوئے ہیں، بدر میں شہادت رضوان میں کہ ان کے مناقب منصور تصور کیے جائیں۔ ان کا اسلام تو بعد مکہ کی فتح کے ہوا ہے جس میں بقول شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی منافق بھی شریک اسلام ہو گئے تھے۔ علامہ ابن عبد البر استیعاب میں بذیل ترجیح امیر معاویہ تحریر کرتے ہیں، ہو وابوہ راخوہ من مسلمۃ الفتح یعنی امیر معاویہ اور ان کے والد ابو سفیان اور ان کا بھائی فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے تھے۔

امیر معاویہ عامہ صحابہ بلکہ مولفۃ القلوب کے گروہ سے سمجھے جاتے ہیں قال ابو عمرو معاویۃ وابوہ من المولفۃ قلوبہم۔ (الاستیعاب للعلام ابن عبد البر واسد الغاہ فی معرفۃ الصحابة لابن اثیر الجزوی واصابہ فی تیز الصحاہ لابن حجر و تاریخ الخلفاء للسیوطی)۔

ہاں اس معصیت پر ان کے ارتکاب کو بوجہ شرف صحبت سرور عالم مسلم  
شفاعت نبوی و معافی مرتضوی و عفو خدا کا امیدوار سمجھنا چاہیے اور ان کو بد الفاظ  
سے یاد کرنا سخت بُرائی ہے۔ البتہ ان کو ماجور اور ان کے اس فعل کو خطأ  
فی الاجتہاد سمجھنے پر چنان اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

اولاً— ظاہر ہے کہ کل صحابہ مجتہدین نہیں تھے۔ چنانچہ علام شہاب الدین احمد  
بن قاسم العباری آیات بیانات میں لکھتے ہیں، «الصحابۃ تنقسم الى المحتمدین  
وعوام» یعنی صحابہ کی دو قسمیں ہیں، مجتہدین اور عوام۔ ہم کو امیر معاویہ کی چند  
محاذات کے سوا جن کی تفصیل ہم آگے چل کر بیان کریں گے ان کے اجتہاد کی  
کوئی نظر نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے ہم ان کو صحابہ مجتہد کی قسم سے شمار کر سکیں۔  
دوم۔ اگر تسلیم بھی کریا جائے کہ امیر معاویہ مجتہد ہی تھے لیکن یہ امر ضروری  
ہے کہ مجتہد کے قیاس کے لئے اول شیش شرعیہ یعنی کتاب و سنت و اجماع سے کسی  
دلیل کا مأخذ ہونا لازم ہے مگر ان کے اس فعل میں (یعنی خلیفہ وقت سے محاربہ  
کرنے میں)، اول ذکورہ سے کسی شرعی دلیل کا مأخذ ہونا ثابت نہیں ہوتا کہ امیر معاویہ  
نے خلیفہ وقت کی اطاعت سے اخراج کرنے میں کسی آیت یا حدیث یا مسئلہ اجتماعی  
سے تمٹک کیا ہو۔

سوم۔ مجتہد کو اپنے اجتہاد کرنے میں یا کسی کو راہ صواب کی طرف مائل کرنے  
میں شمشیر نکالتا اور معرکہ تعالیٰ آراستہ کرنا جس میں ہزار ہابے گناہ مسلمانوں کی جان  
تلخ ہو جائے، ہرگز جائز نہیں۔

چہارم۔ وہ جیلہ جس سے معاویہ اور ان کے متبیین کو موزع و در ڈھہرانے میں

کوشش کی جاتی ہے صرف یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت عثمان کے قاتلوں سے نقصان  
کے طالب تھے زخلیفہ وقت سے انتزاع خلافت کے۔ علامہ ابن حجر نے اسی  
بات پر زور دا لایا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام سے امیر معاویہ کی معزک آڑائی صرف  
قتل جناب عثمان کے طلب کرنے کے لیے تھی۔ چنانچہ وہ صواعق محقرہ میں لکھتے ہیں:  
وَمِنْ اعْقَادِ أَهْلِ السَّنَةِ وَالْجَمَا‘ةِ أَنْ مَا جَرِيَ بَيْنَ مَعُوْيَهِ وَعَلَى مِنْ  
الْحَرْبِ فَلَمْ يَكُنْ الْمَنَازِعَةُ فِي الْخِلَافَةِ لِلْجَمَاعَ عَلَى حَقِيقَتِهَا عَلَى لِيْسَ بِالْمُسْتَ  
وَالْجَمَاعَتِ كَاعْقَادِيْمِ سَعَى بِهِ كَرْجَمَارِيَاتِ امِيرِ مَعَاوِيَهِ وَرَجَبِ عَلَى كَدِرِيَانِ  
وَاقِعٌ ہُوَيْ ہُیں وَهُوَ خِلَافَتُ كَاجْكَارَا نَهْيِنْ تَحَا كَيْوَنْ كَجَنَابِ عَلَى كَخِلَافَتِ كَعَقْدِ ہُونَ  
پَرَاجِمَاعٌ ہُوَجَنَابَا تَحَا۔ علامہ ابن حجر اور ان کے بعض، ہم خیال بزرگوں کو اس لیے پیلک  
افتیار کرنا پڑتا ہے کہ یہ خیال کیا جائے کہ جس غرض کے لیے جناب صدیقہ اوڑھا اور  
ذہبیں نے جناب امیر پر خروج کیا تھا اُسی غرض میں امیر معاویہ بھی شرکیں سمجھے جائیں تاکہ  
اصحابِ محل کی بریت پر جو اولاد قائم ہو سکتے ہیں وہی ان کی برارت پر قائم ہو سکیں۔  
لیکن یہ بالکل خلافِ نفسِ الامر ہے، واقعات چھپائے سے چھپ نہیں سکتے۔

اولاً۔ اس امر پر تمام اہلسنت کا اتفاق نہیں ہے کہ امیر معاویہ کی غرض اس  
قتال و جدال سے جناب عثمان کے قاتلوں کا طلب کرنا تھا اور خلافت پر تنازع نہیں  
تھا۔ چنانچہ عبد الشکر الالمی التہیدی فی بیان التوجیہ میں لکھتے ہیں، و قال اهلسنة  
والجماعۃ بان معمویۃ فی حال الحیوۃ علی و من تابعہ کانوا مخطئین فی  
دعوى الامارة والبیعة والباغیین فی المقاتلة مع علی لیسی اہلسنت و الجماعت  
لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ اور اُن کے پیروں جناب علی کی زندگی میں امارت اور بیعت

کے دعوے کرنے میں خطاو ارتھے اور جناب علیؐ کے ساتھ جنگ کرنے میں باغی تھے۔  
بیہقی وقت قاضی شناوار اللہ صاحب پانی پتی "سیف السلوول" میں لکھتے ہیں،  
"بعض گویند کہ معاویہ درابتدا طلب قاتلان عثمانؓ می کر دو در آخر  
طلب خلافت ہم نمودہ بود و بصحت خلافت علیؐ قائل نبود و می گفت کہ بیعت  
او باشان با علیؐ معتبر نہیں تھیت و اہل حل و عقد صحابہ مثل طلحہ و زبیر و غیرہ کی بیعت  
کردہ بودند با کراہ کردہ بودند و لہذا انکہ بیعت نمودند و معاویہ از پیغمبر خدا  
صلی اللہ علیہ وسلم شنیدہ بود و اذا ملکت فارفق بھم ازیں حدیث ادا  
طبع خلافت ہم رسیدہ بود ازا اہل شام بیعت گرفتہ بود۔"

(دوسری) اگر معاویہ کا مقصود بعض قصاص کا طلب کرنا تھا تو لازم تھا کہ ان کی بہت  
صرف حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے طلب کرنے ہی پر مقصود ہوتی اور اسی پر اتفاق کرتے  
تھے زیاد اور بیعت المال میں دست اندازی نہ کرتے لوگوں سے اپنے نام کی بیعت  
نہ لیتے اور کبیر الروم کو مال کثیر سے کو صرف جناب امیر کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے  
صلح نہ کرتے۔ مسعودی علیہ الرحمہ مروج الذہب میں لکھتے ہیں،

قد کان معاویۃ صالح الروم علی مال یحملہ الیہ لشغله بعلی  
یعنی امیر معاویہ نے لک الروم کو مال دے کر اس لیے صالح کر لی تھی تاکہ علیؐ کے جنگ  
کرنے میں مشغول ہوں اور اپنے عامل عمرو بن العاص کو بمحجج کر جناب امیر کے عامل  
محمد بن ابی بکر سے مصروف نہ چین لیتے۔ اسد الغاب فی معرفة الصحابة میں علام ابن اثیر  
الجزری بذیل ترجیح عمرو بن العاص لکھتے ہیں،

ثُمَّ سِيرَةٌ معاوِيَةٌ إِلَى مَصْرٍ فَاسْتَقْذَهَا مِنْ يَدِ مُحَمَّدٍ بْنِ أَبِي بَكْرٍ

وهو عامل لعلى عليها واستعمله معاویہ عليها يعني پھر امیر معاویہ نے اس کو مصر کی طرف روانہ کیا اور اُس نے مصر کو محمد بن ابی بکر سے چھین لیا، اور وہ جناب علیؑ کی طرف سے اس پر عامل تھے۔ پھر امیر معاویہ نے اس پر عمر و بن عاصی کو اپنا عامل مقرر کیا۔ یہ اور نیز اسی قسم کے صد ہادیگر و اقuated لیے موجود ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر معاویہ کو دراصل خلافت کی طمع تھی۔

سوم۔ جب کوئی حکیم ہو جکی تھی اور عمر و عاصی نے ابو موسیٰ کو مخالفت دے کر بحق امیر معاویہ فیصلہ کیا تھا تو ضعیف سے ضعیف روایت بھی اس کی تائید نہیں کرتی کہ امیر معاویہ نے اس ناجائز حکیم پر عمر و بن عاصی کو سرزنش کی ہو۔ پس اگر امیر معاویہ مدعا خلافت نہیں تھے تو ایسی ناجائز حکیم پر کیوں راضی ہو گئے تھے۔

چہارم۔ جب امام حسنؑ نے خلافت سے دست کش ہو کر امارت عامرہ ان کے پسر دکی اور امیر معاویہ کو ان کے حب مندا، اقتدار کلی حاصل ہو گیا تھا تو آیا کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پھر بھی امیر معاویہ نے جناب عثمانؑ کے قاتلوں کی جستجو کی ہے یا اس جماعت پر قصاص کے حاری کرنے کا حکم شہر کیا ہے باوجود یہ حضرت عثمانؑ کی شہادت سے امیر معاویہ کی امارت عامہ تک چھ سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں گزرا تھا، اور یہ امر ہرگز خیال میں نہیں آتا کہ اس قلیل مدت میں حضرت عثمانؑ کے قاتل کلم رہ گرائے عدم ہو گئے ہوں اور اس جماعت کیسرے ایک منفس بھی زندہ نہ رہا ہو، جس سے قصاص طلب کیا جاتا۔

خیر بر طبعی تنزل ہم یہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ امیر معاویہ کا مقصد اس محارب سے جناب عثمانؑ کے قاتلوں کو طلب کرنا تھا۔ اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اگر اس بغاوت

میں امیر معاویہ کو معدود سمجھا جائے تو ان کے مقلدین کو بھی معدود خیال کرنا چاہیئے  
پس بصورت ذیل:

(الف) اگر کوئی شخص بادشاہ اسلام سے بدیں وجد بغاوت اختیار کرے  
کہ چونکہ یہ بادشاہ فلاں مقتول مسلمان کے قاتلوں سے قصاص نہیں یعنی اس لیے میں  
اُس کے ساتھ جنگ کرتا ہوں اور میں اس امر میں امیر معاویہ کا مقلد ہوں تو یا کوئی  
فقہی جز نہیں اس کی تائید کے لیے پیش کیا جاسکتا ہے یا کوئی عالم اس تقليد میں اس  
کو معدود سمجھ سکتا ہے۔

(ب) مقتول کے خون کے لیے عند الشرع دعویٰ کرنا محض اسی طرح جائز ہے  
کہ قاضی کی طرف رجوع کیا جائے اور شہود پیش کر کے دعویٰ کو پایہ ثبوت تک پہنچانا  
جائے اور پھر شریعت کے فیصلہ کو تسلیم کیا جائے زیر کہ بادشاہ وقت پرشیز نہ کالی  
جائے اور اس کی معزولی کے درپے ہو جائے۔

(ج) اگر اس بغاوت کو خطابی الاجتہاد کے بھی ایک ثواب حاصل ہوتا ہے  
اور عند اللہ معدود بلکہ ماجور ہوتا ہے، تصور کیا جائے تو بالفرض اگر جناب امیر علی اسلام  
اس مرکز قفال میں شل اپنے دیگر صحابیوں کے شہید ہو جاتے تو ضرور ہے کہ جناب امیر  
کا قتل بھی خطابی الاجتہاد ہوتا اور جناب امیر کے قاتل اشقی الآخرين کو بھی عند اللہ  
معدود بلکہ ماجور سمجھا جاتا۔ (نحوذ بالله من لہذا الاعتقاد)

(د) اگر معاویہ بغاوت میں مخفی ماجور تھے تو ان کے شکرے جس نے کہ  
جناب عمر یا سرڑی اللہ عنہ کو شہید کیا ہے اس کو مخفی ماجور کہنا پڑے گا، یعنکہ فعل  
اُس نے بغرض اتباع امیر معاویہ کیا ہے۔

(ھ) ولو فرضنا اگر جناب امیر علیہ السلام سے جنگ کرنا خطافی الاجتہاد تھا تو کیا جناب امیر کی شان اقدس میں بر سر محراب و منبر بت شتم کرنا بھی خطافی الاجتہاد تھا؟ عن سعدات معاویۃ امرہ فقال ما يمنعك ان تسب ابا التراب فقال أما ذكرت ثلاثا قال له رسول الله صلعم في بعض مغازيہ فقال له خلفتني من النساء والصبيان... اهل بيته (اخريجه احمد والمسلم والترمذی والنای وغیرهم) سعد سے روایت ہے کہ امیر معاویۃ نے اُن کو جناب ابوالتراب علیہ السلام پر سب کرنے کے لیے حکم کیا، اور کہا تم ان پر بت کیوں نہیں کہتے؟ سعد نے کہا کیا میں نے تم سے تین باتوں کا ذکر نہیں کیا کہ رسول خدا صلعم نے ارشاد کی ہیں۔ حضرت نے علیؑ کو بعض غزوات میں جب کا پنچ عقب میں چھوڑا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے عورتوں اور طفیلوں کے پاس چھوڑے جاتے ہیں۔ حضرت نے اُن سے فرمایا کیا تو راضی نہیں کہ تیری منزلت مجھے سے ایسی ہو جیسے ہارون کی موسمی سے مگر نبوت میرے بعد نہیں ہے اور میں نے خیر کے روز حضرت کو فرماتے ہوئے سنائے کہ ہم علم کل ایسے شخص کو دیں گے جو خدا اور رسول سے پیار کرتا ہے پس ہم علم کی طرف بڑھے اور آپ نے ارشاد کیا علیؑ کہاں ہیں وہ اُن کی خدمت میں آشوب چشم ہی سے حاضر ہوئے۔ حضرت نے اپنا العابہ ہیں اُن کی آنکھوں میں لٹکا کر علم اُن کو دیا اور اللہ نے ان کو فتح دی، اور جب یہ آیت نازل ہوئی: "پس کہہ دو اور بلا میں ہم اپنے بیٹوں کو اور تھارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تھاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تھاری جانوں کو۔" حضرت نے علیؑ فاطمہ اور حسین کو ملا کر فرمایا اسے میرے پروردگار! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

یہ حدیث تو صحاح کی ہم نے پیش کی ہے، اسی قسم کی صد باب حشیشیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر معاویہ نے اس بدعت کو خطبہ میں ایجاد کیا تھا جو خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے عہد تک جاری رہی اور اس نامور خلیفہ نے اُس کو منسوخ کیا۔ یہ ایسے واقعات محققہ ہیں کہ جس سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ پس کیا یہ امور اور بدعت سیئہ بھی خطابی الاجتہاد ہو سکتے ہیں، حاشا و کلا۔ اکثر لوگوں کو مفصلہ ذیل اور ہام میں سے ایک نا ایک فہم نے اس محابرہ کو خطابی الاجتہاد کرنے کی طرف مائل کیا ہے، جن کی تفصیل متع جوابات درج ہے :

پہلا وہم۔ اگر اس محابرہ کو معصیت قرار دیا جائے تو اس سے اہل شام کی تکفیر لازم آتی ہے، اور یہ امر دو تک پہنچ جاتا ہے لیکن یہ وہم بالکل پادر ہوا ہے اور ادنیٰ تامل سے رفع ہو سکتا ہے کیونکہ خلیفہ وقت سے محابرہ کرنا معصیت ہے نکفر اور حدیث حربی کفر پر دال نہیں چنانچہ خاتم عبد العزیز صاحب محدث دہلوی نے تحدیث اثنا عشری کے بارہویں باب میں شرح و بسط کے ساتھ اس پر بحث کی ہے۔ عوام صحابہ سے صدور معصیت کے گان کرنے میں کسی قسم کا مخذلہ و شرعی لازم نہیں آتا۔ ولید بن عقبہ ابن ابی سیوط کا شارب خمر ہو کر حد شرعی کو پہنچنا کتب رجال سے ثابت ہے۔ عن ابی جعفر محمد بن علی بحدیث علی ولید بن عقبہ فی الخمر اربعین جلد ا۔ (استیعاب و اسد الغابہ و اصحابہ) یعنی امام ابو جعفر محمد باقر بن علی زین العابدین علیہ و آباؤہ السلام سے مردی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے ولید بن عقبہ کو شراب پینے پر چالیس دوسرے لگائے تھے۔ اسی طرح سے سطح بن اثاثہ کا جناب صدیقہ کے افک میں کوشش کرنا اور قذف کی حد کو پہنچنا انھیں کتابوں

سے واضح ہے وکان ممن خاص فی الافق علی العائشۃ فجلدہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (اسد الغابر) یعنی سلط بن اثاثہ ان لوگوں میں سے تھا جو جناب ام المؤمنین عائشہ کی نسبت بہتان کھڑا کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو دُرستے لے گئے۔ ان امور سے زیر لوگ درجہ صحابیت سے ساقط ہو گئے اور ز کافر ہو گئے۔ اگر ہے تو صرف اس قدر کہ اُن سے خطاب و قوع میں آئی، اور صدور معصیت سے آدمی کافر نہیں ہو سکتا۔ صحابیت کا شرف ایسا ہے کہ کسی معصیت سے بجز از تداد کے زائل نہیں ہو سکتا۔

دوسراء ہم۔ چند اصحاب اس محابر میں امیر معاویہ کے شریک تھے، جب امیر معاویہ کے اس فعل کو خطابے منکر اور معصیت قرار دیا جائے تو اُن اصحاب کا امیر معاویہ کے ساتھ معصیت پر اتفاق کرنا لازم آئے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر ایسا لگان فاسد زیبا نہیں ہے۔

یہ دو ہم اکثر عدم تبع کتب سیرا اور احادیث کی وجہ سے ناشی ہوتا ہے اگر پناظر معاون کتب سیرا اور رجال کو دیکھا جائے تو بجز عمر و بن العاص اور بشیر بن نعہان کے کوئی صحابہ اس امر میں امیر معاویہ کا شریک نظر نہیں آئے گا۔ اور یہ دو تین صحابہ افضل صحابہ میں شمار نہیں کیے جاتے حرب صفين میں تمام انصار و مهاجرین اور بد ریتین جناب امیر علیہ السلام کے رقبہ اطاعت میں دکھانی دیتے ہیں، اگرچہ بعض اصحاب مثل عبداللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص اس باہمی مقابلہ سے کوئی دین میں ایک امر جدید تھا اور وہ کفار سے جہاد کرنے کے خواجہ ہو چکے تھے کنارہ گزیں ہو گئے لہ اس سے قبل بھی ایسے واقعات تقل مالک جنگ جمل کے ہو چکے ہیں، یہ امر جدید نہیں ہے۔

تھے، لیکن ان کی کنارہ گزینی اس وجہ سے نہیں تھی کہ وہ جناب امیر کی خلافت میں شک و شبہ رکھتے تھے بلکہ انھیں بزرگواروں سے اس کنارہ گزینی کے متعلق ان کی مدامت اور جناب امیر کے ساتھ شرکت نہ کرنے پر حضرت ثابت ہے۔

اسد الغافر میں علام ابن اثیر الجوزی روایت کرتے ہیں، عن عبد الله بن جیب قال اخبرني قال ابن عمر حضره الموت ما احد في نفسی من الدنيا الا لما قاتل افعى الباغية يعني عبد الله بن جیب اپنے والد سے ناقل ہے کہ جب عبد اللہ بن عمر کی وفات کا وقت قریب آگی تو ہبھنے لگے کہ میرے دل میں دنیا کی کوئی حضرت باقی نہیں رہی مگر یہ کہ میں باعی گروہ سے نہیں رہا۔ عن جیب بن ابی ثابت عن بن عمر انه قال ما اتنی علىٰ شيئاً الا في لِمَا قاتلَ مَعَ عَلَيٰ بْنُ أَبِي طَالِبٍ الْفَشَّةَ الْبَاغِيَةَ يعني جیب بن ثابت کہتا ہے کہ عبد اللہ بن عمر کہا کرتے تھے کہ مجھے کسی بات کی حضرت باقی نہیں رہی مگر یہ کہ جناب امیر کے ساتھ ہو کر میں باعیوں کے گروہ سے نہیں رہا۔ عن حیثه بن عبد الرحمن قال سمعت سعد بن مالک و قال له رجل ان عليا يقع نيك انك تخلفت عنه فقال سعد والله انه لرأي رايته و اخطا اخرجها الحاكم في المستدرث۔ (حيثه بن عبد الرحمن کہتا ہے کہ سعد بن مالک سے کسی نے کہا کہ جناب امیر علیہ السلام اچھا نہیں کہتے کیونکہ تم نے ان کی بیت سے تخلفت کیا ہے۔ وہ ہبھنے لگے یہ بھی ایک رائے تھی جو میں نے سوچی تھی، لیکن رائے غلط نہیں)، اگرچہ بعض صحابہ بتقاضاۓ بشریت ابتداء میں جناب امیر سے کنارہ گزینی تھے مگر عمار یا سر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقع ہونے سے ان کی مخالفت اور کنارہ گزینی

جائی رہی تھی۔ قال الشعیی مامات مسر و ق حتى تاب الی اللہ تعالیٰ عن تخلفه مع علی (اسد الغایب) یعنی شعیی کہتے ہیں کہ مسروق نہیں فوت ہوئے جب تک کہ انہوں نے خدا کی جانب میں جناب امیر سے جنگ میں مخالفت کرنے سے تو بہ نہیں کی۔

تیرا وہم۔ امیر معاویہ کی نسبت خطائے منکر تجویز کرنے سے الصحابة کا ہم عدوں کا کلیہ لڑتا ہے جس سے امور دین میں ایک بڑا بھاری ترزل پیدا ہو جاتا ہے اور روایات کا سلسلہ درہم و برہم ہو جاتا ہے لیکن الصحابة کا ہم عدوں سے محفوظون عن العاصی کسی نے مراد نہیں لیا، بلکہ عدل فی الروایۃ مراد لیا ہے۔ چنانچہ علامہ تاج الدین السکی جمع الجواع میں لکھتے ہیں والاکثر علی عدالت الصحابة و قیل کغیرہم و قیل الی قتل عثمان و قیل الامن قاتل علیا۔ یعنی اکثر علماء صحابہ کی عدالت کے قائل ہیں، بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ صحابہ بھی عدالت میں دوسروں جیسے ہیں۔ بعض نے یہ کہا کہ جناب عثمان کے قتل تک سب صحابہ عدوں تھے اور بعض کہتے ہیں کہ سب صحابہ عدوں ہیں مگر وہ لوگ جو جناب امیر سے لڑتے ہیں وہ عدوں نہیں۔ اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ الصحابة کا ہم عدوں سے صرف عدل فی الروایت مراد ہے اگرچہ اس میں بھی بعض ائمہ نے کلام کیا ہے۔

عبارت مندرجۃ الصدر جمع الجواع کا متن ہے، علامہ جلال الدین محلی صاحب نے نصف آخر تفسیر جلالین میں جو اس کتاب پر شرح لکھی ہے جو شرح جمع الجواع کے نام سے مشہور ہیں العلماء ہے اس کی عبارت کو ملاحظہ کیا چاہیے، وہ لکھتے ہیں:

”اکثر علمائے سلف و خلف عدالت صحابہ کے قائل ہیں کہ روایت و شہادت میں ان کی عدالت سے بحث نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ تمام امت

سے بہتر ہیں۔ انحضرت نے فرمایا ہے تمام امت سے بہتر سیراز ماننے ہے۔ اس حدیث کو شیخین یعنی بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے اگر کسی صحابی سے کوئی فعل بدسرزد ہوا ہو تو اس کے موافق عمل کیا جائے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ صحابہ بھی روایت اور شہادت میں مثل دیگر اشخاص کے ہیں اُن کی عدالت سے بھی بحث کی جائے گی مگر وہ اصحاب جن کی عدالت ظاہر ہوں شیخین ابو بکر و عمر کے اور بعض علماء کا قول ہے کہ تمام صحابی جناب عثمان کی شہادت تک عدول تھے اور ان کے قتل کے بعد ان میں فتنہ واقع ہونے کی وجہ سے اُن کی عدالت سے بحث کی جائے گی۔ بعض خوض کرنے سے رُسکے ہوئے ہیں۔ بعض علماء کا مقولہ ہے کہ تمام صحابی عدول ہیں مگر جن لوگوں نے جناب امیر سے جنگ کی ہے پس وہ لوگ فاسن ہیں امام برحق پر خروج کرنے کی وجہ سے۔

علامہ شہاب الدین بن احمد بن قاسم العبادی نے شرح جمع الجواب علی ایک مبسوط حاشیہ لکھا ہے اور اُس کا نام آیات بیانات رکھا ہے، اس فقرہ ومن طرع لہ قادر کی توضیح میں لکھتے ہیں نبته بہ علی عدم عصمت ہم یعنی صاحب تن نے اس مقولے سے صحابہ کی عدم عصمت سے آگاہ کیا ہے۔

علامہ سعد الدین نقاشی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں:

”صحابہ سے جو محاربات و ممتاز عات و قوع میں آئے وہ کتب تاریخ میں درج ہیں اور ثقہ لوگوں کی زبانوں پر مذکور ہیں بظاہر اس اصریہ دال ہیں کہ بعض صحابہ طریق حق سے تجاوز کر کے حسد و فتن و ظلم کو پہنچ گئے“

اور باعث اس کا کیون، عناد اور حسد اور شدت، انحصار مخصوص اور طلب ملک  
و ریاست و شہوات نفاذی کی طرف میلان تھا کیونکہ ہر صحابی مخصوص اور ہر  
شخص کو جس نے پیغمبر خدا اصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کی ہے نیکی  
کے ساتھ مخصوص رہتا۔“

ان تمام مباحثت سے ثابت ہوا کہ الصحابہ کلمہ عدول سے عدل  
فی الروایۃ مراد ہے نہ مخصوص عن المعاصی اور صحابہ عدول فی الروایۃ اس لیے  
تلیم ہوئے ہیں کہ جب علماء نے طبقات رجال میں قوانین جرح و تعدیل کو جاری  
کیا ہے تو صرف بہ نسبت دیگر طبقات کے صرف صحابہ ہی کا گردہ وضع احادیث  
سے پہنچا ہوا پایا ہے۔

چوتھا وہم۔ اگر اس محاربہ کو معصیت قرار دیا جائے تو اہل شام جن میں  
بعض صحابہ بھی شریک تھے موعود بوعید نار تصور کیے جائیں گے اور وعید نار مستلزم  
کفر ہے لیکن وعید نار بھی مستلزم کفر نہیں کیونکہ دوسرے معاصی مثل شرب نحر، زنا  
و سرقہ وغیرہ کی سزا بھی دوزخ سے جو توہراً اور شفاعت نبوی اور عفو ایزدی سے  
ٹھل سکتا ہے۔ اسی طرح اہل صفين کی حفاظت کی نسبت بھی خیال کیا جاسکتا ہے  
کہ وہ توہر سے یا آنحضرت صلعم کی شفاعت سے یا عفو باری سے ٹھل جائے۔

پانچواں وہم۔ اگر جناب امیر علیہ السلام سے امیر معاویہ کے محاربہ کو معصیت  
قرار دیا جائے تو جناب عالیہ صدقیۃ امام المومنین اور طلحہ و زبیر کے محاربہ کو بھی  
معصیت قرار دینا پڑے گا۔ یہ وہم بھی عدم تبع کتب سیرہ و تواریخ سے ناشی ہوتا  
ہے اس کا جواب بچند وجہ دیا جاسکتا ہے:

(الف) اصحاب جمل کی غرض امیر معاویہ کی غرض سے بالکل متبائی نہیں کی تفصیل ہم پیشتر کر چکے ہیں۔ اصحاب جمل میں سے کسی صاحب نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا، اس لیے بعض علماء نے ان کے باغی قرار دینے میں تامل کیا ہے اور امیر معاویہ کو باغی اول قرار دیا ہے۔ شرح مقاصد میں علامہ تفتازانی لکھتے ہیں ذہب الكثیروں الی ان اول من بغی فی الاسلام معاویہ یعنی اکثر علماء کا میلک ہے کہ جس شخص نے اسلام میں سب سے اول بغاوت کی ہے وہ معاویہ ہیں۔

(ب) تمام کتب سیرو تواریخ بہ آوانہ بلند پکار رہے ہیں کہ اصحاب جمل میں سے کسی صاحب نے بالارادہ جناب امیر علیہ السلام سے جنگ نہیں کی، بلکہ جب قاتلان عثمان کی فتنہ پر داڑی سے رات کو لڑائی شروع ہو گئی تو ناچار صحابہ جمل و فaux پر یعنی حفاظت خود اختیاری کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

قال العلامہ سعد الملة والدین التفتازانی فی شرح المقاصد  
والمعقوتوں من اصحابنا رحمةہماں الحرب الجمل کانت فلتة لامن  
قصد من الفریقین بل کانت تمیجا من قتلة عثمان حين صاروا  
فرقتين واحتلطاوا بالعسكرین واقاموا الحرب خوفاً من القصاص  
وقصد عائشة لم يكن الا اصلاح الطائفتين وتسکین الفتنة  
فوقعت في الحرب - یعنی ہمارے محقق اصحاب اس بات کے قائل ہیں  
کہ حرب جمل بلا قصد فریقین ناگہانی طور پر واقع ہو گیا۔ حضرت عثمان کے  
قاتلوں کی انگیز نہی کروہ لوگ دو گروہ بن کر دونوں شکروں پر جا پڑے  
اور قصاص کے خوف سے فتنہ اٹھا ریا۔ جناب اُمّ المؤمنین عائشہ کا قصد دونوں

گروہ میں صلح کرانے اور فتنہ فروکرنے کے سوا اور کچھ نہیں تھا لیکن بڑائی میں پھنس گئیں۔  
 (ج) اصحاب جبل میں سے کوئی خلیفہ وقت سے انتزاع خلافت کا صد نہیں ہوا اور نہ کوئی جناب امیر کی مخالفت پر مصر ہو کر قتل ہوا ہے۔ جناب لڑائی کی رات کو جب ظلمت شب مرتفع ہو گئی اور صحیح نمودار ہوئی اور جناب طلحہ پر حقیقت حال کا انکشاف ہو گیا فوراً محارب سے کنارہ کش ہو گئے اور مروان بن حکم کے ہاتھ سے تیر کھا کر شریت شہادت نوش کیا۔

علامہ ابن عبد البر استیعاب میں فرماتے ہیں:

”اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ جناب امیر نے طلحہ کو بلا کر اپنی مسابقت اور فضل کو بیان کیا۔ طلحہ لڑائی سے واپس ہو کر زبیر کی طرح سے فوج کی صفوں سے علیحدہ ہو گئے، مروان بن حکم نے تیر مار کر شہید کیا اور علماء ثقات میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا کہ طلحہ کو اُسی دن مروان نے قتل کیا ہے، اور مروان حضرت طلحہ کے گروہ میں سے تھا“

عن حیثی بن سعید قال قال طلحۃ یوم الجمل :

نَدَمْتُ نَدَامَةَ الْكَسْحِيِّ لِمَا

شَرِيتَ رَضِيَ اللَّهُ بِنَجْمِ بْرَغْمِي

اللَّهُمَّ خذ مِنِّي لِعْنَانَ حَتَّى تَرْضَى فِرْمَادَ مَرْوَانَ سَهْرَفَ رَكِيْتَهُ۔ (آخر جه)

له واقعات سے بالکل آنکھ بند کر کے یہ کہا جاسکتا ہے ورنہ راہ کر کے روانگی اور لوگوں کو خط لکھنا وغیرہ علماً حضرت سے جنگ کے لیے تھا ذکر رفع فتنہ

ابو عمر و صاحب الاستيعاب و ابن الاشیري في اسد الغابة و محب الطبرى في  
الرياض، جناب طلحہ کا تجدید بیعت کرنا بھی ثابت ہے چنانچہ شیخ عبدالحق محدث  
دہلوی "دارج النبوة" میں تحریر فرماتے ہیں:

"اذ ثور بن حجر امده کہ لگفت گز شتم بطلوبن عبد الله يوم الجل دوی  
انداده بود بر زمین در آخر رمق پس ایستادم بر دے و برداشت سر خود را  
و گفت بدستی ہر آئینہ می بینم روے مردے را کہ گویا قمر است بگیتی،  
گفت از اصحاب امیر المؤمنین علیؑ لگفت فراخ کن دست خود را تابیعت  
کنم ترا۔ پس لگفت الشاکر الشاکر صدق رسول اللہ صلیم یا دکر دخالت العالی  
کو دار دطلوب را در بیشت مگر انکہ بیعت من گروں او باشد۔"

اور جناب زبیر کی نسبت تمام کتب تو ارشیخ برآ و اذ بلند شہادت دیتے ہیں کہ جب  
معركہ کارزار گرم ہوا جناب امیر نے ان کو بلا کتنی کیا، وہ فوراً اصحاب جمل کا  
ساتھ چھوڑ کر مدینہ کو چلے گئے اور وادی سباح میں پہونچ کر عمر و بن جرموز کے ہاتھ  
سے شہید ہو گئے۔

قال ابن عبد البر في الاستيعاب ثم شهد الزبير بحمل  
فقاتل فيه ساعة فناداه على والفرد به فذكره ان رسول الله  
صلعم قال له وقد وجد هما يفتح كان بعضها الى بعض اما انت  
ستقاتل عليا وانت له ظالم فذكر ذلك للزبير فانصرف عن  
القتال نادما مفارقا للجماعة التي خرج فيها من صرفها الى المدينة  
فاتبعه ابن جرموز فقتله بموضع يعرف بوادي السباع وجاء بسيفه

الى على فقال بشر قاتل بن صفية بانمار۔ یعنی پھر زیر فوج سے باہر نکل کر حملہ آور ہوئے، تھوڑی دیر تک لڑتے رہے۔ پھر جناب امیر نے ان کو بُلایا اور تنهائی میں ان سے جناب رسالت مأٹ کا ارشاد یاد دلایا کہ تم نے ہم دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہنسٹے ہوئے پا کر پوچھا تھا اور حضرت نے فرمایا تھا کہ تم عنقریب علیؑ سے لڑو گے اور تم ان پر ظلم کرو گے۔ جب جناب امیر نے ان سے اس کا تذکرہ بیان کیا۔ وہ لڑائی سے نادم ہو کر مدینہ طیبیہ کی طرف رو آئی ہو گئے۔ ابن جرموز نے ان کا پیچھا کیا اور دادی سباع میں ان کو شہید کیا اور ان کی تلوار لے کر جناب امیر کے پاس حاضر ہوا جناب امیر نے فرمایا ابن صفیہ کے قاتل کو دوزخ کی خوش خبری ہو۔

### تبییہ:

صفیہ بنت عبد المطلب جناب زیریکی والدہ، جناب امیر کی پھوپھی تھیں اور زیر ائمخت صلم او رجنا ب امیر کے عززاد بھائی تھے۔ اسی لیے جناب امیر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے اخواننا بغونا یعنی ہم پر ہمارے بھائیوں نے بناوت کی ہے۔ اسی طرح سے جناب صدیقہ کا نادم ہونا تمام کتب سیرو رجال سے ظاہر ہے۔

ابوالبرکات عبد الشہ بن احمد بن محمود السنفی الاعتماد فی الاعتقاد میں لکھتے ہیں :

وَكَذَا عَائِشَةَ نَدْمَتْ عَلَى مَا فَعَلَتْ وَكَانَتْ تَبْكِي حَتَّى تَبْلُغَ خُمُارَهَا

لہ مگر علی کا ساتھ نہ دیا۔

لہ اور تفتازانی صاحب کی عبارت اول من بعثی فی الاسلام معادیہ سے استدلال میں بناوت معادیہ ثابت ہوئی لیکن علیؑ کے بغونا کہنے سے کچھ ثابت نہ ہوا۔ سبحان اللہ!

شرح فقه اکبر للملائک علی القاری یعنی اس طرح سے جناب صدیقہ اطہار نداشت فرماتی رہیں اور یہاں تک روایا کرتی تھیں کہ ان کے سرکی اور طھنی تر ہو جاتی تھی یعنی جابر قال دخلت علی عائشہ یوماً وقلت لها ماتقولین في علی فاطرقت رأسها ثم رفعت وقالت :

اذاما التبرحث على محكٍ تبين غشه من غير شركٍ  
وفيينا الغش والذهب المصفى على بیننا شبہ المحكٍ

اخربه الشیخ حافظ الزرمذی فی در السقطین -

یہ ایسے واقعات ہیں جن سے کسی نے انکار نہیں کیا کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ امیر معاویہ کا حرب صفين جن کاٹھا ایک مدت مدید تک جاری رہا اور جنگ جبل جن کا خاتمه ایک ہی روز میں ہو گیا برابر ہے اور جس طرح امیر معاویہ سورہ اعتراض ہیں اسی طرح سے اصحاب جبل بھی ہیں جن کی برادت خود جناب امیر سے مردی ہے۔ علامہ ابن عبدالبر استیواب میں لکھتے ہیں :

من قد روی عن علی قال والله لا رجوان الا کون انا و عثمان و طلحة  
والزبير متن قال تبارک و تعالی و نفعنا ما فی صدورهم من غل اخواننا  
علی سرر متقابلين - یعنی جناب امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم ہے میں امید کرتا ہوں کہ میں اور عثمان اور طلحہ اور زبیر بن میں سے ہوں کہ جن کی نسبت خدا تعالی نے فرمایا ہے اور نکال ڈالی ہم نے جو ان کے جیسوں میں تھی، خفگی بھائی ہو گئے تھیں تو پرستی ہے آمنے سامنے یہ جلیل القدر صحابہ اخصل الخواص مہاجر عشرہ بشرہ میں سے ہیں اور جناب رسول اللہ صلیعہ کے حواری کہلائے جاتے

ہیں، ان کے فضائل و مناقب متواریات کی حد تک سچوپ چکی ہیں اور جناب امیر کے ہم پلے خیال کیتے جاتے ہیں۔ اس کے ماسوا خود جناب امیر نے ان کی برادرت کی شہادت دی ہے۔ باوجود ان حالات کے پس کیوں کر ان کی ذوات مقدس سے صدور معصیت کا مگان کیا جاسکتا ہے البتہ ان کا جناب امیر پر خروج کرنا یا انکش بیعت کرنا تو ثابت ہے جس کو خطاب فی الاجتہاد سے تعمیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی مذکون ابوہ میں لکھتے ہیں: ”فِيَوْمِ طَلَحَ رُوزِ جَمِيلٍ بَا عَائِشَهُ بِرْجَهِتْ خَطَابَ رِاجِهَادَ“

لیکن جس طرح سے ان کا خروج ظاہر ثابت ہے اُسی سے ان کی توبہ اور ندامت اور رجوع بھی ثابت ہے۔ بخلاف ان امور کے معاویہ بقولے پانچ سال اور بقول ارسال جناب امیر سے جنگ کرتے رہے اور اپنی خطاب پر مصروف ہے چنانچہ ابن عبد البر استیعاب میں لکھتے ہیں:

فَحَارَبَ مَعَاوِيَةَ عَلَيْهَا خَمْسَ سَنِينَ وَقَالَ الْوَعْدُ وَصَرَابُهُ أَرْبَعَ سَنِينَ - لیعنی جناب امیر علیہ السلام سے امیر معاویہ پانچ سال تک لڑتے رہے۔ الْوَعْدُ کہتے ہیں ٹھیک بات یہ ہے کہ چار سال تک لڑتے رہے بلکہ مخالفت ہی پر مصروف ہیں اسے تینیز بلااد اور دعوی خلافت کو منتظر نظر رکھ کر امیر علیہ السلام کی دشمنی کی وجہ سے کلراوم کو نذر دے کر صلح کر لی۔ اگر معاویہ کو انتزاع خلافت مدنظر نہیں تھا تو محمد بن ابی بکر جناب امیر علیہ السلام کے عامل سے مصروف کیوں چھین لیا تھا — بعض لوگ بمقابل جناب امیر علیہ السلام کے امیر معاویہ کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہیں اور ان کے مناقب اصحاب جمل کے مناقب کے ہم پلے ٹھہرائے جاتے ہیں، لیکن اصحاب جمل کے مناقب مشتبہ اور امیر معاویہ کے مناقب غیر مشتبہ میں زین و آسمان کافری ہے۔

حضرت اُمّ المُؤمنین کی عفت پر قرآن ناطق ہے، حضرت طلوع زبیر کے فضائل متواترات سے مسلم اور مشبوط ہیں۔ امیر معاویہ کے فضائل و مناقب کا یہ حال ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوة میں لکھتے ہیں: ”لگفتہ ان محمد شان ثابت نہ شدہ درفضل معاویہ، بیچ حدیثے۔“

امام ابو عبد الرحمن بن شعیب النائی فرماتے ہیں: ”ما اعرف له فضیلة الا لا اشبع الله بطنه“۔ یعنی امیر معاویہ کی فضیلت بجز اس کے نہیں جانتا کہ حضرت نے فرمایا ہے ”فدا اس کے پیٹ کو نہ بھرے“۔ دوسرے مقام پر مقولہ امیر فی معنویۃ ان یخرج رأسا برأس زبان پر لاتے ہیں، یعنی معاویہ اس پر راضی نہیں کہ سر پر نجات پاجائے۔

قال محمد بن اسحاق الاصبهانی سمعت مثايخنا بصري قوله ان ابا عبد الرحمن النائی فارق مصر في آخر عمره وخرج الى دمشق فسئل عن معویہ وما روى من فضله فقال اماير ضي معویہ ان یخرج رأسا برأس حتى یفضل وفي روایۃ ما اعرف له فضیلة الا لا اشبع الله بطنه۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان ومرآۃ الجنان للامام عبد اللہ الیافی) محمد بن اسحاق اصبهانی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے مشايخوں کی زبان سے سُنّا ہے کہ امام ابو عبد الرحمن النائی اپنی آخر عمر میں مصر کو چھوڑ کر دمشق چلے گئے، وہاں کے لوگوں نے امیر معاویہ کے فضائل و مناقب کی نسبت پوچھلے امام نائی نے جواب دیا کہ امیر معاویہ اس بات پر راضی نہیں ہوتے کہ وہ نجات ہی پاجائیں کر اُن کے فضائل کو بیان کیا جائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ امام نائی

نے فرمایا مجھے اُن کی کوئی فضیلت معلوم نہیں سوائے اس کے کہ جا ب رسول خدا  
صلی اللہ علیہ و آله وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا اس کے پیٹ کو زبرہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلعم بعث معاویۃ

لیکتب فقیل لہ انه یا کل فقال صلعم لا اشبع الله بطنه (اخرجه  
ابوداؤد الطیالسی) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ  
جناب رسالت مأب نے ایک آدمی کو معاویہ کے بلاں کے لیے بھیجا، وہ اگر کہنے لگا  
وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا خدا اس کے پیٹ کو زبرہے۔

بعض اشخاص ان کی فضیلت یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کاتب الوجی تھے خیال  
کرنا چاہیے کہ اگر کتابت وحی سے کسی قسم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے تو وہ مروان بن  
الحکم کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن امیر معاویہ کے کاتب الوجی ہونے میں محدثین کا  
اختلاف ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوة میں لکھتے ہیں:

”واما معاویہ بن ابی سفیان کی نسبت کردہ می شود بانی عبد الرحمن یکے  
از اس جملہ است کہ می نوشتم برائے آنحضرت صلعم و بعضی کو میند نوشتم وحی،

صاحب جامع الاصول می کو یہ کتابت نشده است در موہبہ لدنی می کو یہ  
رسے شہور است بر کتابت و بعضی کو میند و سے نبی نوشتم وحی را بلکہ می نوشتم  
کتب و مناسیرا۔“

ماسوائے اس کے جناب عثمان کی فضیلت زیادہ تر جامع القرآن ہونے  
کی وجہ سے ہے جس کا ثواب ان کو تا بروز قیامت ہوتا رہے گا اور جس قدر کہ دنیا  
میں لوگ قرآن شریف پڑھنے والے ہیں یا ہوتے چلے آئے ہیں یا ہوتے رہیں گے

ان کے پڑھنے کا ثواب حضرت عثمان جامع القرآن کے نامہ اعمال میں ثبت ہوتا ہے گا۔  
چھٹا دہم۔ اگر امیر معاویہ عاصی اور باغی ہوتے تو جناب امام حسن مجتبی علیہ التعلیم  
والشارکیوں خلافت ان کے سپرد فرماتے۔

لیکن یہ وہم بھی بالکل ہے جاہے کیونکہ امامت عامہ کی تفویض ایسے شخص کے  
ہاتھ میں کرنے سے جو پیشتر باغی رہ چکا ہو اور پھر تائب ہو کر کتاب و سنت اور سیرت شیخین  
کے اتباع کا عہد کرتا ہو کوئی اعتراض جناب امام حسن علیہ السلام کے غلام کی طرف  
عامد نہیں ہو سکتا۔ جناب امام نے جو عہد کر معاویہ سے تفویض امارت کے وقت لیا ہے  
وہ سابقہ اعمال سے بمزالم توبہ کے تصور کیا جاسکتا ہے لیکن جناب امام کی امارت عامہ  
تفویض کرنے سے امیر معاویہ کا سابقہ امور میں محفوظ عن الخطاہ ہونا کسی طرح سے ثابت  
نہیں ہوتا۔ اس کی ٹھیک شال ایسی ہے کہ ایک گاؤں کے مالک نے غلہ کا انبار ماسکن  
پر خیرات کرنے کے لیے جمع کیا ہو، ایک رہزوں کا سردار اُسے غارت کرنا چاہے،  
مالک اس کی حفاظت کے واسطے اس سے جنگ کرے، پھر ایک مدت کے بعد مالک  
فوت ہو جائے اور اُس کا بیٹا اُن رہزوں کے سردار سے یہ عہد لے کر وہ غلہ کا انبار  
اُس کے پرد کر دے کر یہ غلہ ہم اس شرط سے تمہارے پرد کرتے ہیں کہ تم ماسکن پر  
صرف کیا کرو اور اس میں خیانت نہ کرو، اور اس تفویض سے فتنہ و فادہ ہو جائے،  
اور خونی ریزی مٹ جائے تو اُس سے نہ اُس غلہ کے مالک کی نسبت جوان غارثگروں  
سے حفاظت غلہ کے لیے جنگ کرتا تھا کوئی اعتراض وارد ہو سکتا ہے اور نہ اُس مالک  
کے بیٹے پر جس نے یہ عہد لے کر غلہ اُن رہزوں کے پرد کیا ہے اور غلہ کی حفاظت  
سے نہ پہنچا ہی پچھا چھڑا یا ہے بلکہ ایک خلق خدا کو ناحق کے کشت و خون سے بچایا ہے

اور ان رہزوں کا افسوس زمان تک کاغذ اس کی تفویض نہیں ہوا تھا اور وہ اس میں تصرف کرنا چاہتا تھا اعتراض سے بچ سکتا ہے۔ البتہ اگر اس عہد کے بعد وہ اپنے قول فعل میں صادق نکلے اور غلط کو عہد کے موافق مان کر صرف کرتا رہے تو خیال کیا جائے گا کہ اُس نے اپنے اعمال سابق سے توبہ کی ہے اور اب اس کو غلط میں تصرف کرنا جائز ہو گیا ہے۔ اگر پھر وہ راہزن یا اس کا جانشین عہد سے اخراج کر کے شرائط کو پورا نہ کرے تو پھر عاصی تصور ہو گا اور اس کے ساتھ اس عہد گیر نہیں ہے یا اس کے جانشین پر جہاد واجب ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی بناء پر جناب امام حسین علیہ السلام نے امیر معادیہ کے جانشین ریزیڈ پلیس کو جب وہ شرب خر کرنے لگا اور حقوق انسان میں اور حدود اللہ سے تجاوز کر کے ہیں اور بھائی کی شادی کا مجوز ٹھیک نہیں لگا تو منتبہ کرنا چاہا تھا اور حضرت امام علیہ السلام اس خروج میں محنت تھے۔ کیونکہ خلافت دراصل انھیں کا حق تھا۔

سا تو اس وہم۔ جب امام حسن علیہ السلام خلافت کو ترک کرنا چاہتے تھے تو امیر معادیہ کو تفویض خلافت کے لیے کیوں منتخب کیا تھا اور خلافت کسی دوسرے کو کیوں نہیں سپرد فرمائی تھی۔ جناب امامت کے اس انتخاب سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ امیر معادیہ اپنے عہد میں افضل صحابہ میں سے ہوں گے جن کی وجہ سے جناب امامت نے خلافت اُن کے سپرد فرمائی، ورنہ حضرت امام کسی دوسرے کو اس منصب کے لیے منتخب فرماتے۔

یہ وہم بھی عدم تبعیع کتب سیر و تواریخ سے ناشی ہوتا ہے کیونکہ جناب امام حسن نے خلیف خلافت کے وقت امیر معادیہ کو امارت عامت اس وجہ سے سپرد فرمائی تھی، اور

دوسرے کو اس لیے منتخب نہیں کیا تھا کہ بغیر اس کے خون ریزی کا اندام محال تھا۔ اگر جناب امام حسنؑ کی اور صحابی کو امارت سپرد فرماتے تو ضرور امیر معاویہ ان سے وہی معاملہ کرتے جو جناب امیر علیہ السلام سے کیا تھا۔ اس کے علاوہ خلافت راشدہ کا زمانہ منقضی ہو چکا تھا اب مملکت عضوضہ کی عہد کی صبح نمودار ہونے والی تھی جبکہ امیر معاویہ کے اور کوئی صحابی اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔ بغواہ اعط القوس بار بیان جناب امام نے امیر معاویہ ہی کو اس منصب کے لیے لائق سمجھا اور جس امر کے لیے وہ برسوں سے کشت و خون کر رہے تھے ان کے حسب مثا انھیں سپرد کیا۔ اب رہا یہ امر کہ معاویہ تقویض امارت کے بعد بھی امام ہوئے ان کی نسبت الہست و الجماعت میں باہم اختلاف ہے۔ فرا الاسلام حسن بن زوری لکھتے ہیں :

اما بعد موت على هل صار اماما و قال بعضهم لم يصر اماما انه لم يكن افضل الصحابة بعد على بل كان من الصحابة يوم عذهو افضل منه بكثير في النسب والعلم والتقوى والشجاعة ولأن احدا من الصحابة لم يمرة امام حق ولم يعقد له عقد الامامة و معلومة ما كان من جملة الخلفاء ولكن كان من جملة الملوكي - يعني جناب امیر عليه السلام کی وفات کے بعد بھی امیر معاویہ امام ہوئے ہیں یا نہیں ؟ بعفلہ است و الجماعت کہتے ہیں کہ نہیں ہوئے۔ لیکن ان لوگوں کے قول کی وجہ کر جو کہتے ہیں کہ امام نہیں ہوئے یہ ہے کہ امیر معاویہ جناب امیر علیہ السلام کی وفات کے

لہے عجیب بات ہے کہ جب علیؑ کی افضلیت یا امام کا افضل نام ہونا پیش کیا جاتا ہے تو وہاں اجماع یا شوریٰ کو درپڑتا ہے۔ یہاں پر امامت کی صلاحیت نہ ہونے کا سب سینقتویت قرار دی جاتی ہے۔

بعد اس وقت کے موجودہ اصحاب سے افضل نہیں تھے بلکہ اس وقت اکثر ایسے اصحاب موجود تھے جو نسب اور علم اور شجاعت اور تقویٰ میں امیر معاویہ سے بدر جہا افضل تھے اور امیر معاویہ خلفاء میں سے نہیں تھے بلکہ بادشاہوں میں سے تھے۔ اسی لیے کسی صحابی نے ان کو امام نہیں روایت کیا اور ان پر مات کا عقد نہیں ہوا۔ اسی واسطہ اہل علم امیر معاویہ کو خلفاء میں سے نہیں شمار کرتے بلکہ ملوک میں سمجھتے چلے آئے ہیں۔ تاریخ الخلفاء میں علامہ جلال الدین السیوطی ابن ابی شیبہ کی کتاب صنف سے نقل کرتے ہیں :

عن سعید بن جمهان قال قلت لسفينة ان بني امية يزعمون ان الخلافة منهم قال كذب بنوا الزرقاء بل هم ملوك اشد الملوك واول الملوك معاویة - یعنی سعید بن جہان کہتے ہیں میں نے سفينة سے پوچھا کہ بنی امیہ اپنے آپ کو خلفاء جانتے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ یہ کبھی عورت کے جنے جھوٹ بیکھتے ہیں یہ لوگ سخت ترین بادشاہوں میں سے ہیں اور ان میں سے پہلا بادشاہ معاویہ ہے۔

**فخر الاسلام بزروی المیسر میں لکھتے ہیں :**

ومعاویۃ ما کان من جملة الخلفاء ولكن کان من جملة الملوك على ما روينا عن النبي صلی الله علیه وآله وسَلَّمَ انه قال الخلافة بعدى ثلاثة سنۃ ثم بعدها ملک ثالث عضوض وقد تم ثلاثة سنۃ بعلی - یعنی معاویہ خلفاء میں سے نہیں تھے بلکہ ملوک میں سے تھے بدلیل اس حدیث کے کہ جناب رسول نے فرمایا ہے کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک

رہے گی، پھر ایک درندہ شاہی ہو گی اور تینیں برس جناب امیر علیہ السلام تک پوئے ہو چکے تھے۔

آنٹھواں دہم سوادِ اعظم اہل سنت والجماعت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ امیر معاویہ کی خطا، خطافی الاجتہاد ہے اور وہ اس میں معدود بلکہ ماجور اور رثاب تھے۔ اس کے برخلاف خطائے منکر کا قائل ہونا اور ان کو باعثی اور عاصی قرار دینا خارق سوادِ اعظم بناتے ہے اور من شذ شذ فی النار کے زمرہ میں داخل ہونا ہے۔ یہ ایک بڑی بھاری دلیل ہے جو اہل صفین کی برادرت پر پیش کی جاتی ہے لیکن اس میں بوجوہ متعددہ نظر ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہی دلیل امیر معاویہ اور ان کے متبوعین پر منقلب ہوتی ہے کیونکہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت کا انعقاد اہل حل و عقد کے اتفاق سے ہوا ہے اور جناب امیر نے اہل صفین کے مقابلہ میں اسی دلیل کو پیش بھی کیا تھا۔ امیر معاویہ کی شرکت میں چند صحابہ حن کی تعداد جمع قلت سے تجاوز نہیں کرتی۔ اہل شام کے نو مسلمانوں کی جمیعت کے ساتھ جن کے امور دین میں ماہر ہونے کی نسبت سعودی علیہ الرحمہ نے مروج الذہب میں ایک ضعیفہ کی حکایت لکھی ہے:

"اہل علم بھائیوں میں سے ایک شخص ذکر کرتا ہے کہ ہم دمشق اثام میں

جناب امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ کی نسبت بحث کیا کرتے تھے عوام ان اس

شاہی بھاری گفتگو نہ کرتے تھے۔ ایک روز ان میں سے ایک لانبی داڑھی

والا جو ان میں نہیات عقلمند سمجھا جاتا تھا اگر ہم سے کہنے لگا کب تک تم علی اور

معاویہ کے جھگڑے کو طول دو گے۔ میں نے کہا تیری اس میں کیا رکھے ہے؟

کہنے لگا تو کس کی نسبت پوچھتا ہے؛ میں نے کہا علیؑ کی نسبت۔ کہنے لگا وہی

علیؑ جو فاطمہؓ کے باپ تھے۔ میں نے کہا فاطمہؓ کون تھیں؟ کہنے لگا حضرت صلم کی بی بی عائشہؓ کی بیٹی معاویہؓ کی بیہن۔ میں نے کہا اچھا یہ توبتا کہ علیؑ کا کیا قصہ ہے؟ وہ بولا غزوہؓ حین میں آنحضرتؐ کے ساتھ جنگ کیا تھا۔

اس سواداعظم کے خارق تصور نہیں کیے جاتے کہ جس پر تمام افاضل صحابہؓ اور مہاجرین و انصار اہل محل و عقد کا اجماع ہو چکا تھا۔ پس وہ اہل سنت والجماعت کا گروہ جو ایسا مرمعاویہ کے خطابے منکر کے قائل ہیں کیونکہ سواداعظم کے خارق تصور کیے جا سکتے ہیں، جب کہ اہل صفين کے دامن پر صحابہؓ کرام اہلبیت عظام و انصار مدینہؓ کے سواداعظم (کہ محققین اہل سنت کے نزدیک اجماع دراصل انہیں کے اتفاق رائے سے مراد ہے) کی مخالفت سے کسی قسم کا وصیہ نہیں لگتا۔ پس اگر کوئی شخص بعض کتب مشہورہ کے برخلاف اہل صفين کی مسذوری کو نتسلیم کرے اور بقول مولانا جامیؓ

اختلاف کے داشت با جدر در غلافت صحابی دیگر  
حق در آنجا بدت چدر بود جنگ با او خطابے منکر بود  
کا قائل ہو تو اُس کو کیوں خارق اجماع کہا جاسکتا ہے۔

(ب) یہ محجت خطابیات کی قسم سے ہے نہ برہانیات سے، ایسے دلائل اقناعیات پر اکتفا کر لینا ایمان جلت سے عجز کی دلیل ہے اس سے مخالفین کی زبان طعن کشادہ ہوتی ہے۔ اہلسنت والجماعت کے مخالفت کہ سکتے ہیں کہ جب ان لوگوں کے ایسے دعوے بے دلیل اور امر خلاف بداہمت پر اتفاق کریا ہے تو ان کے دوسرا دلائل اور مقدمات مسئلہ بھی اسی قبیل سے ہوں گے۔ اگر اتباع سواداعظم سے مراد صرف اتباع کثرت آراء ہے تو یہ بات ہرگز قابل تسلیم نہیں ورنہ خبلی المذهب جن کی جماعت

بمقابلہ اصناف کے نہایت تقلیٰ کے ساتھ اسلامی دنیا میں آباد ہے۔ من شذ  
شذ فی النار کے مور د سمجھے جائیں گے۔ سواد اعظم سے اجماع امت مراد ہے۔  
اس بحث میں چند علماء کے اقوال نقل کرنے سے اجماع ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اگر  
تلash کیا جائے تو صاحبوں کی جماعت سے کسی صاحب کا پتہ نہیں ملتا کہ اس اہل صفين  
کی براوت پر کسی قسم کا اشارہ بھی کیا ہو بلکہ جتاب امیرؒ کے ساتھ سب صحابہؓ کرام کی  
شرکت اور اہل صفينؒ کے مقابلہ کرنے سے بھی متدار ہوتا ہے کہ سب بزرگوار  
خلیفہؑ وقت کے ساتھ ان کی مخالفت کو بغاوت اور اس بغاوت کو عصیان سمجھتے  
تھے اور ان کے ساتھ جنگ کرنا واجب جانتے تھے۔ اس کے مساوا حضرت عمار  
یاسر کی شہادت نے ان کو مجرم صدق صلم کا قول یا عمار تقتلہ الفئة  
الباغية یاد دلایا تھا۔ جس سے یقیناً وہ اہل صفينؒ کو خاطی، باغی، عاصی سمجھتے  
تھے اور ان کو ایسا سمجھنے میں بمعیت امام وقت انہوں نے اجماع کر لیا تھا اور  
ان کا اجماع تقدیث الفئة الباغية سے منصوص تھا۔

(اقول) صاحب ارجح المطالب کی عبارت کو عربی، فارسی، اردو لفظ  
پر لفظ با وجود طویل ہونے کے اس لیے نقل کر دیا گیا کہ اس میں امام حسن علیہ السلام  
کی صلح کی تحریک و توجیہ کے علاوہ دیگر فوائد بھی ہیں علی الخصوص معاویہ کے اعمال  
و افعال پر اور ان سے جس طرح اور جن وجہ سے اہل سنت علماء کو اشتباہ میں  
وانستہ یا نادانستہ واقع ہو جانا پڑتا ہے کافی روشنی پڑتی ہے اور جو لوگ یہ زیدا اور  
معاویہ میں فرق نہیں کر کے امام حسن علیہ السلام کے لیے بھی امام حسن علیہ السلام کی  
طرح جنگ کرنا یکساں سمجھتے ہیں ان کا جواب خود بخود ہو جاتا ہے۔ غور کیجیئے امام حسنؑ

کو ایسی پالیسی دل کے شخص سے سابقہ پڑا ہے جس کے لیے صاحب ارجح المطالب باوجود غلطی اور بناوت وغیرہ ثابت کرنے کے الفاظ بد کے استعمال کو منوع قرار دیتے اور اُس کے لیے الفاظ تعظیمی استعمال کرتے ہیں۔ توجہ معاورہ کو صحت پر اور معذور و ماجور رکھتے ہیں ان کا تو ذکر ہی کیا۔ بخلاف اس کے امام حسین کا مقابلہ اُس پالیسی کے شخص سے ہوا تھا جسے کوئی آدمی کہنے کو تیار نہیں۔ اپنی اس طویل عبارت کے نیچے صاحب ارجح المطالب نے بعنوان "احادیث متعلق شہادت عمار یا اسر رضی الشرعاً" سترہ روایتیں نقل کر کے لکھتے ہیں :

قال الامام ابوالمعالى في الارشاد حديث تقتدى الفتة الباغية  
هو من اثبت الاخبار، (امام ابوالمعالى كتاب ارشاد میں لکھتے ہیں کہ حدیث تقتدى  
الفترة الباغية نهایت ثابت شدہ احادیث میں سے ہے)۔

صاحب ارجح المطالب کی عبارت منقول میں شیعر نقطہ نگاہ سے بے شمار قابلِ موادِ مقامات ہیں، بعض جگہ بکاس ا تعرض بھی کر دیا گیا ہے پھر بھی بہت سے قابلِ اعتراض امور باقی رہ گئے ہیں۔ چونکہ مقصود صرف اپنی تائید میں مخالفت کی رائے پیش کرنا تھا اس لیے سب کو نقل کر دیا ہے۔ اب اس حد تک پہنچ کر مجھے کامل تلقین ہے کہ کسی شیعہ کو بہ حیثیت شیعہ ہونے کے امام حسن علیہ السلام کی صلح کے متعلق کوئی شبہ باقی نہ رہ سکے گا۔ کیونکہ شیعوں کے علاوہ اہل سنت کی کتابوں سے بھی وجہ و حالات پر کافی روشنی پڑھکی جس سے امام حسن کی روشن پر کوئی اعتراض نہیں پڑ سکتا، اور جب اہل سنت اور خصوصاً وہ جو باوجود اسلام مسلمین کے ساتھ اُس سلوک کے جس کا ذکر ہوا اور امام حسن کے ساتھ باوجود اُس سلوک کے جس کا ذکر ہوا امام حسن کی صلح

کو صحیح اور ان کی اس روشنگری کو درست اور ناقابل اعتراض سمجھتے ہیں تو شیوه کو انقرضی کی تو کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی۔

یہاں سے اب کتاب کا دوسرا بڑا شروع ہوتا ہے یعنی غیر شیعہ مسلمان کے نزدیک بھی یہی صحیح اور درست تھا جو امام حنفی نے کیا، یعنی آپ کو جنگ روک دینا ہی درست تھا اور صلح کرنا ہی مناسب تھا۔ صرف یہ خلش رفع کرنے کی ضرورت رہتی ہے اور دراصل یہی خلش ایسی ہے جس نے مسلمان، غیر مسلمان، شیعہ، سُنّتی سب کو اٹھایا ہے۔ وہ خلش یہ ہے کہ اگر پڑھ کر نا غلط نہ تھا، صحیح تھا مگر کیا اس کے معنی ہیں کہ امام حنفی علیہ السلام نے اس طرح کی صلح کر کے معاویہ کو خلیفۃ اللہ بنایا یا مانا؟ اور وہ منصب خلافت الہیہ کا مالک ہو گیا؟ اور آیا اس طرح امام حنفی علیہ السلام نے معاویہ کو اس کے افعال کو درست اور واجب الاتباع شرعی سمجھ لیا؟ اور آیا امام حنفی علیہ السلام امام برحق اور خلیفۃ اللہ نہ رہے؟ اور آیا اڑک مر جاتے تو یہ بات باقی نہ رہتی؟ یا ایسا نہیں ہے۔ اور سب کا جواب یہ ہے کہ ہر گز نہ معاویہ کی حقیقت ثابت ہوتی ہے نہ معاذ اللہ امام حنفی کی امامت و خلافت الہیہ جا قی ہے نہ شیعہ عقائد کی رو سے رسمی خیالات کی رو سے، چونکہ اہلسنت کی طرف سے بعض نافہم یا متعصب لوگوں نے معاویہ کو برحق بنانے کی سماں کی ہے جو قطعی غلط ہے جس کی توضیح آیا چاہتی ہے، اس بناء پر شیعوں کو بھی غصہ آتا ہے اور رسمی بھی غلطی میں مبتلا ہوتے ہیں اور غیر مسلم بھی دھوکے میں پڑ جلتے ہیں۔

پھر حال اب ہم اہلسنت کی کتابوں سے امام حنفی کی صلح کے متعلق لپنے دعوے کی دلیلیں نقل کرتے ہیں۔

نے یہ بیان کیا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت جسٹ بن علی علیہما السلام کے ساتھ ساتھ تیس سال ختم ہو گئے۔ یہ حدیث اس بات پر صراحت دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت اتنی ہی مدت تک جت تھی، اس کے بعد نہیں۔ بلکہ اس کے بعد ملک عضوض ہو گیا اب چریشی نے صواتعِ محقد میں خلافت ابی بکر کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یعنی لوگوں کو اس زمان (ملک عضوض) میں ظلم اور بے انصافی سے سابقہ پڑے گا۔ گویا وہ ایک دوسرے کو کاٹ کھاتے ہوں گے صاحب صواتع سے تعجب ہے کہ کتاب کے شروع میں توہن بات کا اعتراف کیا اور خاتم کتاب میں اپنی ہی مخالفت اس طرح کی کمحدودی کو غلیظ حق اور امام صدقہ کہہ دیا۔ دراصل فرموشی اور نیان ہے۔ اور ابین ابی شیبہ نے سعید بن جہان سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے سفیدن سے کہا کہ بنی امیر اسی زعم میں ہیں کہ خلافت ان میں ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ کرخی آنکھ دالے کے بنے جھوٹے ہیں۔ (خلافت سے کیا واسطہ) وہ لوگ بادشاہ ہیں اور بادشاہ بھی نہایت بُرے۔ اور معاویہ سب سے بہلا بادشاہ ہے۔ اور ابین سعید نے عبد الرحمن بن ابیری سے انہوں نے عمر سے روایت کی ہے کہ عمر نے کہا ہے کہ جب تک اہل بدر میں کا کوئی بھی باقی رہے گا یہ امراء نہیں (بدر والوں) میں رہے گا۔ اس کے بعد اہل احمد میں جب تک ان میں کا ایک بھی باقی رہے پھر فلاں پھر فلاں میں لیکن طلیق اور اولاد طلیق اور مسلمانان فتح میں کسی کو اس میں کچھ حق نہیں، کیا اس کے باوجود بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ معاویہ غلیظ حق

اور امام صدق ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ بھلا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ملک عضوض اور شریلوک تو جھوٹا ہو جائے اور معادیہ کے ہوا خواہ اپنے قول خلیفہ حق و امام صدق میں پچھے بن جائیں۔ کیا لوگوں سے کتاب کا میثاق نہیں لیا جا چکا ہے کہ وہ لوگ خدا کے مقابلہ میں سوائے حق کے اور کچھ نہیں کہیں گے۔ خدا یا! ہم ایسے اعمال سے بیزار ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ جو کچھ تیرانجی اور رسول لایا ہے اس کی تصدیق پر ثابت قدم رہیں یعنی جھگٹا لو لوگوں نے اس طرح انکار کیا ہے کہ حکم واحد کی نسبت حق و باطل کی طرف نہیں دی جاسکتی۔ حالانکہ دو فوں پاتیں (امام کا حق پر معادیہ کا باطل پڑھنا) متفاہد ہیں۔ لیکن اس غبی کو اتنا بھی پتہ نہ چلا کہ دونوں سمتیں ہیں تو ضرور مگر جھتیں بدی ہوئی ہیں۔ پھر ایسی صورت میں کیا خرابی ہے؟ اس کی نظریں توہین کثرت سے اس شخص کو مل سکتی ہیں جس کو سرو دکانات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے کچھ بھی مس ہوگا۔ دیکھو آپ نے کفار مکے حد پریکے دن ان شروع پر صلح کر لی کہ آپ اور آپ کے اصحاب نجح کریں گے نعمہ بجا لائیں گے اور مدینہ نوٹ جائیں گے۔ اور اگر کفار میں کا کوئی مسلمان ہو کر آپ کی طرف آجائے تو اقوس کو واپس کر دیں اور آئینہ سال بھی جب مکیں آئیں گے تو تین دن سے زیادہ نزدہ سکیں گے، اور وہ بھی اس طرح کہ (اسلمو جنگ ساتھ نہ ہوں گے) صرف وہ سلاح جو سافروں کے لیے ضروری ہوتے ہیں لاسکیں گے (یعنی نیام کے اندر تلوار) ان تمام باتوں کے باوجود وہ رکھاں اس پر بھی راضی نہ ہوئے کہ محمد رسول اللہ کی لفظ لکھی جائے۔ چنانچہ اپنے خود اپنے دست مبارک

سے اس لفظ کو مٹا دیا اور اس کو بدلت کر محمد بن عبد اللہ بن ادیا گیا، تو کیا صلح سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حق اور کفار کی طرف سے باطل نہ تھی۔ (ایک جھت سے حق، دوسری جھت سے باطل ہونا معلوم ہو گیا کہ اب بھی نہیں) اسی طرح کیا بھی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عینہ اور اقرع سے اس شرط پر صلح نہیں کی تھی کہ اگر یہ دونوں قبیلے واپس پلٹے جائیں اور ابوسفیان کی اور احزاب کی مدد نہ کریں تو آپ ان لوگوں کو مدینہ کے پھلوں میں سے ایک ہبائی دے دیں گے۔ وہ تو سعد نے آپ کو یہ شورہ دے دیا کہ یا حضرت اگر وحی سے یہ کام ہو رہا ہو تو خیروز اس صلح کو پختہ نہ فرمائیے۔ اس رائے کو پسند فرمایا کہ آپ نے اس کو پختہ نہ کیا۔ (کیوں صاحب) کیا صلح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حق اور دوسری طرف سے باطل نہ تھی (جب فعل رسول کی نظریں موجود ہیں) تو اسی طرح صلح حسن علیہ السلام بھی آپ کی طرف سے حق اور معاویہ کی طرف سے باطل ثابت ہو گئی۔ المعرض معاویہ کے خطا کا کار، غاصب اور گھنیمہ ہونے میں کچھ شرہ نہیں۔ اس پر مزید طرہ یہ کہ معاویہ نے اس صلح میں جن باتوں پر خدا سے عہد کیا تھا ان میں کی اکثر کو توڑ ڈالا، اور خلاف درزی کی جو آئندہ بیان سے تم پر واضح ہو جائے گا۔ کویا اُس نے خداوند عالم کا یہ قول مٹا ہی نہیں کچھوں کہ ان لوگوں نے عہد توڑ ڈالے لہذا ہم نے ان پر لغت بھی کی اور ان کے دلوں کو سخت بھی کر دیا۔ معاویہ نے خداوند عالم کے اس حکم کی کوئی پرواہ نہ کی کہ جو لوگ میثاق کے بعد عہد خدا کو توڑتے اور جن باتوں کو جو ڈالنے کا حکم دیا ہے ان کو قطع کرتے ہیں اور زمین

پروفساد بھیلاتے ہیں ان پر لعنت اور ان کے لیے فرمائھ کانا ہے۔

اب میں فتح الباری شرح صحیح بخاری اور تاریخ البجفر طبری اور تاریخ  
کامل ابن اثیر وغیرہ سے صلح کے قصہ کا خلاصہ لکھتا ہوں تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ  
امام حسن علیہ السلام کو صلح کی کیا مجبوری ہوئی اور معاویہ کے عہد نگہنی کا بھی علم ہو جائے۔  
ان لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب لوگوں پر وہ باتیں ظاہر ہو گئیں جو ایم المؤمن  
علی علیہ السلام اہل شام کے متعلق ان لوگوں سے بیان کرتے تھے تو چالیس  
ہزار آدمیوں نے موت پر آپ کی بیعت کی۔ ابھی آپ (مقابلہ کے لیے) جانے  
کا سامان ہی کر رہے تھے کہ آپ کو قتل کر ڈالا گی۔ واذا اراد اللہ شیعیا  
فلا مرسد له آپ کی شہادت کے بعد جب لوگوں نے امام حسن علیہ السلام  
کی بیعت کی تو آپ کو یہ اطلاع پہنچی کہ معاویہ اہل شام کو لے کر آپ کی  
طرف چڑھا آ رہا ہے فوراً آپ نے اسی فوج کو لے کر (جنہوں نے آپ کے  
والد کی بیعت کی تھی اور کوفہ سے معاویہ کے مقابلہ کے لیے چلے تھے)  
جنگ کی تیاری کر دی اور بارہ ہزار آدمیوں کا سردار بننا کر قیس بن سعد  
بن عبادہ کو بطور مقدمة الجیش معین کر دیا۔ جب امام حسن مدائی پہنچنے تو کسی  
نے آپ کے شکر میں یہ آواز بلند کر دی کہ قیس بن سعد قتل کر ڈالے گئے  
بھاگ چلو۔ چنانچہ لوگ بھاگنے لگے۔ چنانچہ آپ کے (خمر کے) پردہ  
لے بھاگے، آپ کا اسباب نوٹ لیا۔ یہاں تک کہ جس فرش پر آپ بیٹھے  
ہوئے تھے وہ بھی لکھنے لے گئے اور خود آپ کے شکم مبارک پر نہجہ کار کر دیا۔  
آپ کو لا محال ان لوگوں سے نفرت ہو گئی اور ان کے خطے محوس کرنے

لگے اور آخر کار مدائیں کے سید قصر میں داخل ہو گے۔ اس وقت مدائیں کے حاکم سعد بن سعید نقیقی تھے جو مختار بن عبیدہ کے چھا تھے۔ اس وقت مختار جو ابھی نوجوان تھے کہنے لگے کہ (بچا)، آپ کو دولت اور شرف کی خواہش ہے انہوں نے پوچھا کیا مطلب؟ انہوں نے کہا حسن کو قبضہ میں کر کے معاویہ کے حوالے کر دیجئے۔ اس پر ان سمجھے چاہئے کہا کہ بھلا فوسر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دوں اور انہیں گرفتار کروں تم تو بہت بُرے آدمی ہو۔ اب امام حسن کو نیقین ہو گیا کہ دونوں گروہوں میں سے کوئی غالب نہیں ہو سکتا، مگر جب کہ جب زیادہ حصہ قتل ہو جائے۔ آپ نے معاویہ کو لکھا کہ آپ معاویہ کو حکومت حوالے کر سکتے ہیں، بشرطیکہ جو شرطیں آپ کریں اُسے منظور کرے۔ اس پر بعض شرائط میں کچھ دیر سوچ کر سب پر معاویہ راضی ہو گیا۔ اس کے بعد دونوں میں اس طرح صلح طے پائی کہ معاویہ کو مسلمانوں کی حکومت اس شرط سے حوالہ کی جاتی ہے کہ وہ کتاب خدا، سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین ہدایتین کی سیرت کے مطابق حکومت کرے۔ معاویہ کو یہ حق نہیں کہ اپنے بعد کسی کو اپنا نائب مقرر کرے بلکہ معاویہ کے بعد حکومت کافی مسلمانوں کے شورہ پر یوقوف رکھا جائے۔ تمام لوگ خواہ شام میں ہوں، یمن میں ہوں، خواہ عراق میں ہوں، ججاز میں ہوں، زین خدا پر جہاں ہوں ہر جگہ محفوظ رہیں۔ اصحاب علیؑ اور آپؑ کے شیعہ کی جان، مال، اولاد، عورتیں جہاں ہوں محفوظ و مطمئن رہیں گے۔ جو کچھ علیؑ کے زمانے میں ہوا ہے ان میں سے کسی کا مواخذہ ان میں کسی سے نہ ہو گا۔ حسن بن علیؑ اور ان کے

بھائی حسین بن علی اور اہلبیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کسی کے قتل کی کوئی سازش مخفی یا ظاہر کسی طور سے نہ کی جائے۔ ان تین کا کوئی چاہے کسی افق پر بتا ہو خوف زدہ نہ کیا جائے۔ معاویہ ان تمام باتوں کا عہد اور میثاق خداوند عالم سے کرتا ہے اور خدا کی گواہی بس ہے۔ ان باتوں سے ابن اثیر نے اتنا اور زیادہ لکھا ہے کہ معاویہ امام حسن کو وہ رقم جو کوذ کے بیت المال میں ہے اور خراج دار الجرد حوالہ کر دے گا۔ تاکہ اس مال سے ان لوگوں کو راضی رکھا جاسکے جنہیں مال کے سوا اور کوئی چیز راضی نہیں رکھ سکتی، اور یہ کہ علی پر مشتبہ شتم نہ کیا جائے گا۔ ان سب باتوں پر معاویہ راضی ہو گیا صرف دو باتیں نہیں مانتا تھا۔ ایک تو علی کو بُرا کہنا، اس میں اتنا مانتا تھا کہ حسن کے سنتے ہوئے شتم نہ کرے گا۔ اور دوسرے یہ کہ اس دمیوں کو امن نہ ہو گا۔ اس پر امام حسن نے رضا مندی نہ دی بلکہ اپنی شرط پر اصرار ہی کیا۔ معاویہ نے آپ کی طرف یہ لکھ بھیجا کہ میں نے قسم کھانی ہے کہ میں جب بھی قیس بن سعد پر قبضہ پاؤں گا ان کی زبان اور ہاتھ کاٹ داؤں گا۔ اس پر امام حسن نے یہ فرمایا کہ میں تجھ سے ہرگز معاملہ نہ کروں گا۔ اگر تو قیس یا ان کے علاوہ کسی سے بھی کسی چھوٹی یا بڑی بات کا بدل لینا چاہے گا۔ اس پر معاویہ نے ایک سفید کاغذ بھجوادیا اور کہلا بھیجا کہ اس پر آپ جو چاہیں لکھ دیں میں سب کا پابند ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد معاویہ نے اس پر عہد

لے جو فارسی میں ہے۔

پر مال خرچ کرنا، وقت پر فوج کشی کرنا، دشمن کے گھر پر جوڑ کر جنگ کرنا۔  
کیونکہ اگر دشمن سے اس طرح تم نہ لڑاگے تو وہ تم سے لڑے گا۔ یہ کہہ کر  
منبر سے اٹر آیا۔ اور ابو اسماق بسیعی نے اس پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ  
معاویہ نے خطبہ میں یہ الفاظ بھی کہے کہ آنکاہ ہو جاؤ کہ جو کچھ میں نے حسن سے  
وعلاءے کیے ہیں وہ سب میرے ان دونوں پاؤں کے نیچے (ان کو رونما تا  
ہوں)، کسی ایک کی بھی دفاذ کروں گا۔ اور عبد الرحمن بن شریک جب اس  
بات کو بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ خدا کی قسم اس کو تہشیل کہتے ہیں۔  
لوگوں کا بیان ہے کہ جب صلح ہو چکی اور اہلِ کوفہ بیعت کر چکے تو معاویہ نے  
امام حسن سے النواس کی کمیج میں تقدیر کریں اور لوگوں سے یہ کہیں کہ آپ  
نے معاویہ کی بیعت کر لی ہے اور حکومت اس کے پرورد کر دی ہے۔ آپ نے  
منبر پر جانا منتظر فرمایا اور بالائے منبر چاکر پہلے حد و شنائے الہی بجالائے  
اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات بسیعی اور فرمایا کہ ایسا انہیں  
سب سے زیادہ عقل والا داد ہے جو خدا سے ڈرے، اور نہایت احمد وہ  
ہے جو اس کی نافرمانی کرے۔ (کہتے کہتے یہ فرمایا) کہ تم لوگوں کو معلوم ہے  
کہ خداوند عالم نے تھامدی ہدایت میرے جد (بزرگوار) کے ذریعہ سے  
فرمائی اور تم کو مگر اہی سے انھیں کے ذریعہ بچایا اور جہالت سے چھڑایا،  
ذلت کے بعد انھیں کے طفیل سے تم کو عزت دی اور ذلت کے بعد تم کو  
کثرت انھیں کے سب سے حاصل ہوئی۔ اس میں تو خلک ہی نہیں کہ معاویہ نے  
بھی سے اس میں نزارع کی جو بالکل میرا ہے، اس کا اس میں کچھ حصہ نہیں۔ تو

میں نے اصلاحِ امت اور رفع فتنہ کا خیال کیا۔ اور تم لوگ مجھ سے اس شکر پر بیعت کر چکے تھے کہ جس سے میں صلح کروں گا تم بھی صلح کرو گے، جس سے میں جنگ کروں گا تم بھی جنگ کرو گے۔ اب میری رائے یہ ہوئی کہ معاہدیہ سے صلح کروں اور میری اس کی جو لڑائی ہو رہی ہے اُسے موقوف کر دوں۔ چنانچہ میں نے اس سے معاہدہ کر لیا ہے اور طے کر لیا ہے کہ خون ریزی کی بُرَبُریت خون کو حفظ کرنا بہتر ہے۔ میرا درادہ اس سے صرف تم لوگوں کی بُرَبُری اور تھاری بُرَبُری بُرَبُری ہے۔ وات ادری دعلہ فتنہ لکھ و متعال الی حیث۔ اور امام حسنؑ نے قبیل بن سعد کے پاس جو آپ کے مقدمة الجیش پر بارہ ہزار پرسدار تھے، یہ لکھا کہ معاہدیہ کی طاعت میں داخل ہو جائیں۔ اس پر قبیل لوگوں کے سامنے کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ ایسا انساں ایسا تو کہاںی کے امام کی اطاعت کر دیا پھر بغیر امام کے ہو کر جنگ کرو۔ چنانچہ بعض لوگ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ہم مگر امام کے ماتحت رہنے کو پسند کرتے ہیں۔

— چنانچہ ان لوگوں نے بھی معاہدیہ کی بیعت کر لی، اور جن لوگوں نے قبیل کا ساتھ دیا ان کے ساتھ قبیل لوٹے اور ان کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ معاہدیہ سے لاطین گے یہاں تک کہ معاہدیہ علیؑ کے شیعوں اور قبیل کے کل ساتھیوں کے جان و مال کی حفاظت کی شرط مان لے چنانچہ معاہدیہ نے ان لوگوں سے اس کا وعدہ کیا اس طرح آپس میں صلح ہو گئی۔ جب معاہدیہ کی صلح کا سالمہ مکمل ہو چکا تو اس کے پاس سعد بن ابی مقتاص

آنے اور کہا کہ اے بادشاہ! السلام علیک، اس پر معاویہ پہنچ دیا اور کہا کہ اے ابو اسماعیل! اگر تم مجھے امیر المؤمنین کہتے تو کیا حرج تھا۔ اس پر سعد نے کہا کہ کیا تم مذاق سے نہیں اللہ واقعہ کہ رہے ہو؟ خدا کی قسم جس طرح تھے حکومت حاصل کی ہے میں تو اس طرح ہونا بھی پسند نہ کرتا۔ اور مغیرہ بن شعبہ کو یہ اطلاع ملی کہ معین بن عبد اللہ خروج کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے کچھ لوگوں کو بھیجا تو اس کے پاس کچھ لوگ موجود تھے۔ بہر حال (معین) اگر قدار کریا گیا اور قید کر دیا گیا۔ اب مغیرہ نے معاویہ کے پاس اپنا حال کہلا بھیجا۔ معاویہ نے لکھا کہ اگر وہ یہ شہادت دے کر میں خلیفہ ہوں تو چھوڑ دے۔ مغیرہ نے اس کو حاضر کیا اور کہا کہ تم گو اہی دیتے ہو کہ معاویہ، خلیفہ اور امیر المؤمنین ہے؛ معین نے کہا، میں گو اہی دیتا ہوں کہ خداوند عالم برحق ہے اور قیامت کا دن حتی ہے، وہ آکے رہے گی، اور یہ بھی حق ہے کہ خدا ان لوگوں کو زندہ کرے گا جو مر چکے ہیں۔ اس پر مغیرہ نے حکم دیا اور معین قتل کر ڈالے گئے (کامل کی عبارت ختم ہوئی)۔ اور ابن عبد البر نے ابو بکرہ سے روایت کی ہے اس نے بیان کیا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ معاویہ کے پاس گیا۔ چونکہ ہم کو اہلیان زیادتے بھیجا تھا، جب ہم وہاں پہنچے تو معاویہ نے کہا کہ اے ابو بکرہ! کوئی حدیث بیان کرو۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آله وسلم سے مٹا ہے کہ آپ فرماتے تھے، خلافت تیس سال ہو گی، پھر ملک ہو جائے گا۔ یہ سُنّتے ہی ہمارے متقلق معاویہ نے (نکال دینے کا) حکم دیا۔ چنانچہ ہماری پُشت پر زخم لگا کہ ہم کو باہر نکلو دیا گیا۔

معاودہ اور امام حسنؑ کی صلح کا یہ خلاصہ ہے۔ اس سے اچھی طرح آشکار ہے کہ معاویہ مگر ابھی کا امام ہے جیسا کہ قیس بن سعد نے کہا، اور یہ بھی تیقین ہو گیا کہ معاویہ بادشاہ تھا اور ہدایت بُرا بادشاہ، جیسا کہ سعد و سفید نے کہا۔ اور اس میں بھی کچھ شک نہ رہا کہ معاویہ بدعتی تھا اور بزر و شمیر حکومت کا غاصب تھا۔ اس نے رضا مندی اور مشادرت سے ہرگز حکومت حاصل نہ کی کہ حق ہوتی، بلکہ وہ تو شتم علیکو حلال اور قیس کی زبان کاٹنے اور فلاں فلاں کے قتل کے بغیر صلح تک منظور نہیں کر رہا تھا، اس کے علاوہ اس کے بعد اس نے کتنی بدعین کیں، دین میں مکتنے تغیر و تبدل کیے اور یہ کل باقی خدا کے نزدیک ناپسندیدہ گناہ تھیں۔ اب (کوئی بتلانے کر) کہاں ہے وہ حقیقت جس کا ادعیہ معاویہ کے انصار کرتے ہیں جن کی غرض سوائے اپنی رائے کی تائید اور اپنی ٹولی کی بے جا طرف داری کے سوا کچھ نہیں۔ کاش یہ لوگ بلاشدید سمجھ کہتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ خداوند عالم ہم کو اس بلا سے محفوظ رکھے جس میں یہ لوگ مبتلا ہوئے اور جب تک ہم زندہ رہیں ہمیں حق اور گروہ حق کا ہمنوار رکھے۔

معاویہ کے بعض ہوا خواہوں کا یہ ذمہ ہے کہ صلح حسنؑ کے بعد اُمت کامعاویہ پر اجتماع، اس کے معنی یہ ہوئے کہ اُمت کا اجماع ہو گیا اور اجماع صحیح ہے۔ لیکن یہ مخالف الطہ اور رذی و حاندی ہے۔ یاد رکھو، اجماع اور ہے اور اجماع اور ہے۔ اجماع کے تو معنی جیسا کہ اصولیین نے بیان کیے ہیں یہ ہیں کہ اُمت کے کل مجتہدین کا کسی امر پراتفاق کرنا جس پر کتاب یا سُنت سے کوئی دلیل بھی ہو جو اجماع کرنے والوں کا مستند ہو۔ اب غور کرو کہ یہاں

پر معاویہ کی ولایت کی حقیقت پر کون سمی دلیل ہے اور کس مجتہد نے اس کی تصریح کی ہے۔ البتہ (جب ہمیں ہی کہنا ہے تو) کسی کا دل گوارہ کرے تو یہ کہتے ہو، میرہ، سرہ، زیاد اور اذیں قبیل کے لوگ جن کو دین سے نہ کوئی واسطہ تھا، نہ بہرہ۔ (یہ تھے مجتہدین، تو اس کے دین کا کیا کہنا، بمحاب اللہ) لیکن اہل علم و فضل دین تو ان میں سے اکثر نے تصریح کر دی ہے۔ جیسا کہ بیان کر چکا کہ معاویہ بزرگ شیخ غالب آیا تھا اور ناحقی اس پر حملہ اور ہوا تھا اور اپنی بیعت پر کثیر تعداد لوگوں پر جریکا تھا اور کتنوں پر کیسے کیسے سخت تم کیجے اور کتنوں کو قتل کر ڈالا۔ جن لوگوں نے بیعت سے انکار کیا، ہاں اگر یہ کہو کہ اس پر ناحقی اجتماع ہوا تو یہ مانا ہمیں۔ واقعہ ہے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پیشین گویوں کے ضمن میں دے گئے تھے جو حقیقت آپ کی اُمت کو سہنے ہوں گے۔ ملاحظہ ہو فیض بن حادث نے فتن میں سفیاں سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ میں امام حسن کے پاس آپ کے میئنے والیں ہونے کے بعد حاضر ہوا، اور میں نے کہا کہ اے نذل المومنین! اس کے خلاف جو دلیلیں امام حسن نے میرے سامنے پیش کیں بخدا ان کے ایک یہی تھی، فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہہ دن نگزرنے پائیں گے کہ اس اُمت کی حکومت ایک ایسے شخص کے لیے جمع ہو جائے گی جو چوڑے حلتوں والا ہوگا، کھاتا جائے گا مگر سیرہ نہ ہوگا، وہ معاویہ ہے۔ اس وقت میں نے کہا کہ یہ شک امر خدا ہو کے رہتا ہے۔ اور ابو نعیم نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ جب

تم دیکھنا کہ شام کی حکومت ابن ابوسفیان کے لیے پوری ہو گئی تو مکہ بھاگ آتا۔ لوگوں کا اُس پر اجتماع ہو گا۔ درآنگا لیکہ ان میں سے اکثر مجبور ہو گئے، اس کو معدود رہنیں بنا سکتا اور اس کے عذاب میں کوئی کمی نہیں کر سکتا۔ اگر ہم معادیہ کے ہوا خواہوں کا یہ زعم کر کل لوگ اس کے مطیع تھے مجادلہ کے طور پر فرض بھی کر لیں اور یہ کوہ قرشی تھا اور اس کی امامت ظاہرگز جائز ہو سکتی ہے، تو بھی یہ تعلموم ہو کر وہ رحمت، وہ عدل، وہ وفا جس کی شرط الائمه من قریش والی حدیث میں کی گئی۔ وہ بھی اس حد تک کہ اگر ان سے کسی ایک شرط کو کوئی پورا نہ کرے تو اس پر خدا فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت داجب ہوتی ہے۔ وہ کہاں ہے۔ رحمت سے کیا واسطہ وہ تو لوگوں کو نہ ہر دے دے کر قتل کرتا تھا، بلے گناہ قتل کرتا تھا، لوگوں کے گھر گردادیتا تھا، لوگوں کو جلاوطن کر دیتا، لوگوں پر ظالموں کو مسلط کرتا تھا۔ جو ان پر بُرے بُرے عذاب کیا کرتا تھا اُس سے عدل سے کیا واسطہ؟ جو بجائے فراش کے زانی کو اس کا لٹا کا دلواتا تھا، چاندی سونا اپنے واسطے مخصوص کر لیا تھا مسلمانوں کا مال خوب اسراف کے ساتھ اپنی خواہش نفاذ کے مطابق تباہ کرتا تھا۔ ناحق ہی حاصل کرتا تھا اور ناحق ہی خرچ کرتا تھا، اس کو وفا سے کیا واسطہ؟ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بیان فرمادیا تھا کہ وہ اور عروغ عاص عذر پر اتفاق کریں گے، اور علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے وہ (معاویہ) عذر کرتا ہے اور فاجر ہے۔ اگر اس کا کوئی اور عذر

زبھی ہوتا تو اس کی ایک بھی بد عہدی کافی ہے جو اس نے امام حسن بن علی علیہم السلام کے معاہدہ کے باب میں کی۔ اسے طالب حق! تم حدیث مذکور کے پورے متن پر مجھے رہو۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے ائمہ قریش سے ہوں گے، ان کا حق تم پر ہو گا، تھارا حق ان پر ہو گا۔ اگر ان سے درخواستِ رحم کی جائے گی وہ رحم کریں گے، اگر ان کے پاس مقدمہ جائے گا تو وہ عدل کا فیصلہ کریں گے۔ اگر وہ کوئی عہد کریں گے تو وہ اس کی پابندی کریں گے۔ اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو اس پر خدا کی لعنت، ملائکہ کی لعنت، اور کل انسانوں کی لعنت۔ ای شخص کا فریضہ اور نافذ خدا کچھ دُّنیوں کرے گا۔ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں، جن کو حافظ ابن حجر نے ایک کتاب میں جمع کیا ہے، جس کا نام "لذۃ العیش فی طرق حديث الائمه من قریش" رکھا ہے۔

مسعودی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بیان کیا مصروف بن وحشی نے، ان سے ابو الفیاض عبد اللہ بن محمد الہاشمی نے، ان سے ولید بن بحری عبسی نے، ان سے حرث بن مسار البهرانی نے کہ معاویہ نے صعصعہ بن صوحان العبدی کو اور عبد اللہ بن الکواد البشکری کو، اور کچھ لوگ جو اصحاب علیؑ سے تھے ان کو کچھ قریش کے لوگوں کو قید کر دیا۔ اس کے بعد معاویہ ان کے پاس گیا اور کہا کہ میں تم لوگوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، تم لوگ حق اور صدقہ ہو کر تم لوگوں نے مجھے کیا خلیف پایا۔ اس پر ابن الکوارنے کہا کہ اگر تم نے قسم زدے دی ہوتی تو میں ہرگز

نہ یوں کیونکہ تم جبار عنید ہو، نیکو کاروں کو قتل کرتے ہو، اور  
اللہ سے ذرا نہیں ڈرتے لیکن اب تو ہم کو کہنا ہے۔ جہاں تک ہم کو علم  
ہے تیری دنیا تو بڑی دیس ہے لیکن تیری آخرت بڑی تنگ ہے۔  
اندھیرے کو روشنی اور روشنی کو اندھیرا بنا دیتا ہے

اس کے بعد صعصعہ نے گفتگو شروع کی اور فرمایا کہ اے این سفیان!  
جو کہنا تھا کہ ڈالا، اور جو تیر ارادہ تھا پورا ہو گیا۔ لیکن جیسا تو نے کہا  
ویسا واقعہ نہیں ہے۔ وہ کیوں کر خلیفہ ہو سکتا ہے جو لوگوں پر چہرہ باشہ  
بن بیٹھا ہو اور ان کو تکبیر سے روند ڈالا ہو، اور جو لوگوں کا حاکم جھوٹ  
اور اساب پا طل اور مکر سے بن گیا ہو۔ کان کھول کر من نے کہ ن تو بدر  
میں تو نے کوئی خدمت کی، بلکہ اُن لیٹے تو اور تیرا بابِ اسلام کے مقابل  
لشکر اور بھرپڑ کافیے والے لوگوں میں تھے۔ جن لوگوں نے رسول خدا  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف لشکر جمع کیا۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں  
کہ تو طلیق ابن طلیق ہے تم دونوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ  
 وسلم نے آزاد کیا تھا۔ تو بھلا آزاد کردہ خلافت کی صلاحیت کیوں کر  
 رکھ سکتا ہے۔ اس پر معاویہ بول اٹھا کر اگر میں ابو طالبؑ کے قول  
 کی طرف متوجہ نہ ہوتا کہ :

قابلت جملہم حلماء مغفرة

والغفوعن قدرة ضرب من الكرم

‘میں نے ان لوگوں کے جہل کا مقابلہ حلم اور مغفرت سے کیا،

اور قدرت کے باوجود معاف کر دینا کرم کی ایک قسم ہے۔ (تو میں تم سب کو قتل کر ڈالتا)۔

میں کہتا ہوں کہ اس سرکش مگراہ نے جوان لوگوں کو اس وقت قتل زیکا تو نہ اس لیے کہ اُسے منقسم جبار کا خوف یا اور ود فی انار سے ڈر تھا۔ بلکہ مخفی اس لیے قتل زیکا جیسا کہ اس نے خود ہی ظاہر بھی کر دیا کہ اس طرح لوگ اس کو حلیم و کریم کہیں۔ چنانچہ اس کے ہوا خواہوں نے اس کی یہ خواہش پوری بھی کر دی۔ بلکہ اس پر بھی انہوں نے ایسا اضافہ کر دیا جس سے باطل کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ اس طرح ان لوگوں نے حتیٰ کا چھروہ بکار ڈیا اور ظلم و زور کے پشتے لگا دیے۔

صاحبِ نصائح کافیہ کی اس عبارت کے بعد کسی مزید تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تینیقح طلب امور خود بخوبی ہو گئے، صلح کرنا صحیح تھا واضح ہو گیا۔ اس صلح سے ہرگز معاویہ کی خلافت کی صحت نہ کل سکی۔ وہ خلافت الیہ کا مالک نہ بن سکا۔ (یعنی بجیاں الہبُست و یسی خلافت کا مالک نہ ہوا، جیسی وہ خلفاء رشاد کے لیے مانتے ہیں۔ شیعوں کی سی خلافت الیہ کا تو ذکر ہی نہیں)۔ امام حسن نے ہرگز اس کے افعال کو واجب الاطاعت نہ مانا، بلکہ بالکل واضح ہوا کہ جو کچھ امام حسن کی طرف سے ہوا تھا، اور جو معاویہ کی طرف سے ہوا باطل۔ اب اس صلح سے ثبیت کے اعتبار سے بھی معاویہ کو کوئی فائدہ یا امام حسن کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔

جهاد اور صلح کی شرعی حیثیت شیئی مذکوبے اعتبار سے:

کتاب عین العدایہ جلد دوم ص ۳۴۵ نوکشور پریس ۱۳۱۲ھ، کتاب السیر

**باب الموازنہ کی عبارت ذیل اس موقع پر قابل ملاحظہ ہے :**

”اگر امام کی رائے ہو کہ اہل حرب اور ان میں سے کسی فرقے سے صلح کرنے اور اس میں مسلمانوں کے لیے مصلحت ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ اگر وہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اور رسالت آب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ سے حدیثیہ والے سال صلح کی تاریخ اپنے اور کفار کے درمیان لٹائی گئی روک دیں دس سال کے لیے اور اس لیے بھی کوئی صلح معنی کے اعتبار سے جہاد ہی ہے جب کہ اس میں مسلمانوں کے لیے بھلائی ہو لان المقصود ہو دفع الشرح احصال بہ کیونکہ اصل مقصود دفع شر ہے اور وہ اس صورت میں حاصل ہو جاتا ہے۔“

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ :

”اگر امام اہل حرب سے ال لے کر صلح کرنے کی رائے رکھتا ہو تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ جب بیرونیاں کے صلح جائز ہے تو اس لے کے بھی جائز ہوگی۔“  
بڑے تعجب و افسوس کی بات ہے کہ کفار سے صلح تو جائز ہو اور صلح کے بعد مسلمان اپنی جگہ پر مسلمان اور برحق باقی رہیں اور کفار اپنی جگہ پر ناحق باقی رہیں اور صلح کے کرنے نہ کرنے کا فیصلہ امام کی رائے پر ہو۔ لیکن مولفۃ القلوب کے مقابلہ میں یا صلح ناجائز ہو جائے یا جائز ہو تو پھر امام ثابت تو ناحق پر ہو جائے اور جانب مخالف امام حق بن جائے۔“

## نتیجہ

Presented by: Rana Jabir Abbas

jabir.abbas@yahoo.com  
www.ziarat-e-Sabeel-e-Sakina